

دیوانِ غالب



۲۶۲ء شاربک پور اردو بازار لاہور پاکستان

Price :

Rs. 1-4-0

دیوان غالب

شہنشاہِ سخن
مرزا اسد اللہ خان غالب

ملنے کا پتہ: -
مترجم ج بک پو اردو بازار لاہور پاکستان

قیمت ۴۰

تعداد ۱۰۰۰

بار اول

تعارف

مرزا اسد اللہ خاں غالب مرہوم دنیا کے ان اہل کمال شعرا میں سے ہیں جن کے تخیل کی وسعت، فصیح و بلیغ انشا پر طائر سی اور پُر فلسفہ سخنوری کو بقائے دوام حاصل ہے اور وطن کا غافل و غافل جان۔ اس لئے ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہیں کہ اردو شاعری میں غالب کا مرتبہ یحید بلند ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ تعلیمی نقطہ طیفہ غالب کو اپنا محبوب شاعر سمجھتے ہیں۔ موجودہ دور میں جو مقبولیت مجاہدیت غالب کے حصے میں آئی ہے۔ اسکی مثال غالباً کسی پیش کی جائے گی۔ علیل تقدیر نقاد اور بلند پایہ سخن سیز ان کی عظمت کے غافل نظر آتے ہیں۔ اصغر اویس ان کے فنکار عالمیہ کی ترجمانی کا آرزو مند دکھائی دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا غالب کے جتنے خوشنما اور دلکش ادیبان شائع ہوئے ہیں۔ اتنے آج تک کسی شاعر کے مجموعہ کلام کے شائع نہیں ہوئے۔ علیٰ ہذا القیاس غالب کو معتقدین مداحین کا جتنا وسیع حلقہ تیسرے آئیے آج تک کسی شاعر کو میسر نہیں آیا۔

غالب اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ اور وہ پاکستان اور ہندوستان کا محبوب ترین شاعر ہے غالب کی عظیم مثال ہر وطن عزیز کے پیش نظر ضروری کا مقام کہ ہم میں اس شہنشاہ سخن کے اردو مصنف کو اپنے مخصوص رنگ انداز میں پیش کریں۔ اور قیمت میں کمی ہونے کی وجہ سے ہر طبقہ کے لوگوں اسکی کیساں خریداری فرما سکیں۔ آخر میں یہ کہ اللہ تعالیٰ مرزا غالب کی اس عظیم علمی یادگار کو جو حسن باطن کے علاوہ اب حسن ظاہر سے بھی بخوبی بہرہ مند رہ چکا ہے۔ زیادہ مقبول علم جائے۔ آمین (ناشران)



نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاو کاو سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
کاغذی ہے پیرہن ہر سکہ تصویر کا
صبح کہ ناشام کا۔ لانا ہے جوئے شیر کا
سینہ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا
آگہی۔ دام شنیدن جس قدر ہے پچھانے
بس کہ ہوں خائب، اسیری میں صبحی آتش زریا
موتے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

۲

جذ قیس اور کوئی نہ آیا بچے کار
آشفگی نے نقش سویدا کیا درست
صحرانگہ تیرنگی مسخیم حُسن و قضا
ظاہر ہوا کہ داغ کا ستر یہ دُور تھا
تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ
لیتا ہوں مکتب غم دل میں سبق منور
لیکن یہی کہ رفت گیا، اور بُرد تھا

ڈھانپنا کفن نے درخ میوب برہنگی تیں، ورنہ ہر لباس میں تنگ مجھ دھتا
 تیشے بغیر مر نہ سکا کو بہن اسد
 گزشتہ اخبار رسوم و قیود دھتا

۳

کہتے ہو نہ دیں گے ہم دل گر پڑیا دل کہاں کہ گم کیجے، ہم نے دوا پایا
 عشق سے طبیعت زیست کا مزا پایا درد کی دوا پانی، درد بے دوا پایا
 دوست دار دشمن ہے، اعتماد دل ہوا آہ بے اثر دیکھی، نالہ نارسا پایا
 سادگی و پرکاری اور خودی و ہمداری حسن کو نفاق میں جرات آنا پایا
 غنچہ پھر لگا کیلئے، آج ہم نے اپنا دل خوں کیا ہوا دیکھا، گم کیا ہوا پایا
 حال دل نہیں معلوم، لیکن مسدود یعنی ہم نے بار ہا ڈھونڈا، تم نے بار ہا پایا
 شور و سپدِ ناصح نے زخم پر نیک چھڑکا
 آپ کے کوئی پورے تم نے کیا مزا پایا؟

۴

دل مرا سو نہ تھاں سے بے محابا جل گیا آتش خاموش کی مانند گویا جل گیا
 دل میں دوق و صل و یاد و یاد رکھتی نہیں آگ اس گھر کو لگی ایسی کہ جوتھا جل گیا
 میں عدم سے بھی بچوں نہ فانی بنا میری آہ و آتشیں بالِ عنتا جل گیا

مرض کیجے جو ہر اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ سحر اہل گیا
دل نہیں سمجھ کر دکھاتا دردِ دلوں کی پہلے
اس چراغِ ان کا کروں کیا کار فرما بل گیا
میں ہوں دردِ فساد کی آرزو غالب کہ دل
دیکھ کر طرزِ تپاکِ اہل دنیا بل گیا

شوق ہر رنگِ قیاسِ سرورِ سماں نکلا
تیس تصویر کے پرے میں بھی عریاں نکلا
رخم نے داؤدِ تنگی دل کی یارب
تیر بھی سینہ بھیل سے پر اشتاں نکلا
یونے گلِ نالہ دلِ اودھ پیرِ غمِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا
دلِ حسرتِ زندہ تھا مائدۂ لذتِ فرد
کام یاروں کا، بقدر لبِ دندان نکلا
مختی نوا موزِ قفا ہمتِ دشوار پند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی ساں نکلا
دل میں پھر گریہ نے اک شولٹھایا غالب
آہ ہو قطرہ نہ نکلا تھا، سو ٹکوتاں نکلا

دھکی میں مر گیا، جو نہ بابِ نبرد تھا
عشقِ نبردِ مشیہ طلب گارِ مرد تھا
تھا زندگی میں مرگ کا کھٹکا لگا ہوا
النے سے پیشتر بھی مرانگِ زرد تھا
تالیفِ نسخہ ہائے فنا کہ ہاتھ میں
مجموعہ خیال ابھی فسرِ درد تھا

دل تاجگر، کہ ساجل دیانے خوں ہر آب
 اس گز میں حلوہ گل، آگے گرد تھا
 جاتی ہے کوئی کچمکش اندر دوش کی
 دل بھی اگر گیا، تو وہی دل کا در تھا
 اباب چارہ سازئی دخت ذکر کے
 دنداں میں بھی خیال، بیا باں فرم تھا
 یہ لاشیں بے کفن اسد خستہ جاں کی ہے
 حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا!

شمار بچو، مرغوب بتِ مشکل پند آیا
 تماشائے بیک کف بردن منڈل پند آیا
 فیض بے دلی، از میدی جاوید آماج
 کشائش کو ہر عقدہ مشکل پند آیا
 ہوائے سیر گل، آئینے بے مہرئی قاتل
 کہ اندازہ بخور غلطیدن بسل پند آیا
 جواحت تختہ الماس ارمناس، دلیغ جگر ہے
 مبارک باد اسد مخوار جانِ درد مند آیا

دہریں نقشِ فادجہ تسلی نہ ہوا
 ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندہ معنی نہ ہوا
 سبزہ خط سے ترا کا کل سرکش نہ ہوا
 یہ زمرہ بھی حریتِ دم انسی نہ ہوا
 میں نے چاہا تھا کہ اندوہ فاسح چھڑے
 وہ جگر مے مرنے پر بھی رنسی نہ ہوا
 دل گز کا وہ خیال ہے و ساغر ہی ہی
 کہ نفسِ جاوہ سرسبزِ تقویٰ نہ ہوا

ہوں کہ وعدہ کرنے بھی اُٹھتی کہیں
 گوشِ منت کش گلابِ تسلی نہ ہوا
 کس سے عروسی قسمت کی شکایت کیجے؟
 ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو بھی نہ ہوا
 مر گیا صدقہ یک حینش اب سے غالب
 ناتوانی سے حریفِ دمِ عیسیٰ نہ ہوا

ستائش گزے زاہد اس قدر جس باغِ رضواں کا
 وہ اک گلدستہ ہے ہم بخود دل کے طاقِ نیاں کا
 بیان کیا کیجئے بیداد کا دُشِ ہائے مژگاں کا
 کہ ہر اک قطرہ خونِ دانہ ہے تسبیحِ مرجاں کا
 نہ آئی سلطنتِ تہل میں مانعِ میرے نالوں کو
 لیا دانتوں میں جو شکا ہوا ریشہِ نیستاں کا
 دکھاؤں گا تماشا دی اگر فرصتِ زمانے نے
 مرا ہر داغِ دل اک تخم ہے سرِ و چراغاں کا
 کیا آئینہ خُلے کا وہ نقشہ تیرے جلوے نے
 کرے جو پر تو حذرِ شیدِ عالمِ شبنمِ تاں کا
 مری تمہیں میں مضمحل ہے اک صورتِ خرابی کی

ہینولی برقی خدمن کا ہے، خون گرم دھتیاں کا
 اگا ہے گھر میں ہر شو سبز، دیرانی تاشا کہ
 مدار آب کھودنے پر گھاس کے ہے میرے زباں کا
 خموشی میں نہاں غوغا گشتہ لاکھوں آرزوئیں ہیں
 چراغِ مردہ ہوں میں بے زباں گورِ غریباں کا
 منہ زاک پر تو نقشِ خیالِ یار باقی ہے!
 دلی انسرہ گدیا حیرت ہے یوسف کے زنداں کا
 بیل میں خیر کی آپ آج سوئے ہیں کہیں، درد
 سبب کیا؟ خواب میں آکر متم ہائے پنہاں کا
 نہیں معلوم کس کس کا لہو پانی ہوا ہوگا!
 قیامت ہے سرِ شک آلودہ ہونا تیری حرکاں کا
 نظریں ہے ہماری جادہ راہِ فنا غالب
 کہ یہ شیرازہ ہے عالم کے اجڑائے پریشان کا

دہو گا یک پیاباں ندگی سے فوق کھلا
 محبت تھی چین سے لیکن اب تیرے ماحیہ کہ موجِ تیرے گلے سے ناک میرا تلے دم میرا

۱۱

سدا پارہن مشق و ناگزیر لعل بہتی مبادت برق کی کرتا ہوں و افسوس حاصل
بقدر ظرف ساقی خمار تشنہ کامی بھی جو تو دریغ ہے تو میں خیال نہ ہوں حاصل

۱۲

محرم نہیں ہے تو ہی تو امانے راز کا یاں نہ جو حجاب ہے پردہ ہے ساز کا
نہک شکستہ صبح بہارِ نظر ہے یہ وقت ہے شکفتن گلہائے ناز کا
تو اور سوئے غیرِ نظر ہے تیز تر میں اور دکھ تری خزاں ہے راز کا
صرف ہے غبطہ آہ میں میرا اور گرنے میں طعمہ ہوں ایک ہی نفس جاں گداز کا
میں بس کہ جوشِ بادِ عمر شیشہ اچھل ہے ہر گوشہ بساط ہے سر شیشہ باز کا
کاوش کا دل کسے ہر تقاضا کہ نہ ہو ناخن پہ قرض اس گرو نیم باز کا

تاریخ کاوشِ غم بھرا ہوا اسد

سینہ کہ تھا دھیسہ گہرائے راز کا

۱۳

بزمِ شامشاہ میں اشعار کا دفتر کھلا رکھیو یارب! یہ دیرِ غنیمت گز رہا کھلا
شب ہوئی پھر نیمِ رخشد کا منظر کھلا اس تکلف سے کہ گویا بیت کرے گا دیکھلا
گرچہ ہو دیوانہ پر کیوں دستِ کھاؤں کر آستین میں دھسے نہاں ہاتھ میں نشتر کھلا

گونہ بھولا اُس کی باتیں گونہ پاؤں بگید
 پر یہ کیا کم ہے کہ مجھ سے وہ پری بیکر کھلا
 ہے خیالِ حسن میں حسنِ عمل کا سا خیال
 خُلا کا ایک دم ہے میری گور کے اندر کھلا
 منہ نہ کھلنے پر ہے وہ عالم کہ دیکھا ہی نہیں
 زلف سے بڑھ کر نقاب میں شمع کے منہ پر کھلا
 در پہ رہنے کو کہا اور کہہ کے کیسا چھ گیا
 جتنے جہیں مرا لپٹا ہوا اب تر کھلا
 کیوں نہ جیری ہر شبِ خرم جسے بلند گزروں
 آج اے میری گور ہے گادیرِ اختر کھلا
 کیا ہوں غریبِ یمن؟ جب حشو کا چیل
 نام لگتا ہے وطن سے نامہ برائش کھلا
 اُس کی امت میں اُس میں اسیر ہیں کیوں کام بند
 واسطے جس شر کے تعاقب گنبد بے در کھلا

شب اکہ برق سوزِ دل سے زہرِ ارباب تھا
 شعلہ بھولا ہر اک حلقہ گر داب تھا
 واں کرم کو مذہبِ بارش تھا مناں گیرِ خرام
 گر سے یوں پیہ بالمش کفِ سیلاب تھا
 واں خود آرائی کو تھا موتی پر بے کینال
 یاں ہجومِ اشک میں کا رنگہ نایاب تھا
 جلوہ گل نے کیا تھا واں چٹانِ آبِ جوہر
 یاں اعداں مژگانِ چشم تہ سے خورنِ ناب تھا
 یاں نفس کو تھا روشن شمعِ بزمِ خودی
 جلوہ گلِ حالِ بباطِ صحبتِ احباب تھا
 فرشتے تا عرشِ طاعتِ نماں شامِ نیک
 یاں نہیں کے آسمان تک سوختن کا باب تھا
 ناگہاں سے ننگ سے خورنِ یہ پیکل بے لگا
 دل کہ دوقی کاوشِ نغمہ سحرِ زبانتِ باب تھا

۱۵

نالہ دل میں شب اندازِ اثرِ نایاب تھا تھا سپندِ بزمِ وصلِ غیرِ گوہے تاب تھا
 مقدمِ سیلابِ دل کیا نشاۃِ آہنگ سے خادِ عاشقِ گویا ز صدائے آب تھا
 سوزِ شرایم خاکِ تر نشینی کب کہوں پہلوئے انوشہ، دفنِ بسترِ خجاب تھا
 کچھ نہ کی اپنے جنوںِ نارسے اوریاں ذرۂ فزہ اور کس خورشیدِ عالم تاب تھا
 آج کیوں پرواہیں اپنے ایریں کی تجھے؟ کل تک تیرا بھی دل بہرِ وفا کا باب تھا
 یادِ وہ دن، کہ ہر اک حلقہ حیرام کا انتظارِ سعید میں اک یدۂ بے خواب تھا
 میں نے روکا راتِ غالب کو گردِ دیکھتے
 اس کے سیل گسے میں گزروں کعبِ سیلاب تھا

۱۶

ایک ایک قطرے کا مجھے دینا ڈھنسا ب خوںِ جگرِ ودیعتِ خرگانِ یار تھا
 اب میں ہوں اور اتم یک شہرِ ارزد تو اجماعِ نے آئینہ تمثالِ فار تھا
 کلیوں میں میری انش کو کھینچے چھڑک میں جلاۂ اہِ ہوائے سرِ رہ گزار تھا
 موجِ سلابِ شبِ فنا کا نہ پوچھ حال ہر ذرۂ نعلِ جوہر تیغِ آبِ دار تھا
 کم جانتے تھے ہم بھی غمِ عشق کو پر اب
 دیکھا تو کم ہوئے پو غمِ روزگارِ محبت

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
 آدمی کو بھی میسر نہیں! آساں ہونا
 کہ یہ چاہے ہے خرابی سرکاشانے کی
 درود داری سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا
 دانے دیوانچی مشوق کہ ہر دم بھگہ کو
 آپ جانا ادھر، اور آپ ہی حیراں ہونا
 جلوہ ازلیں کہ تقاضائے ملکہ کرتا ہے
 جو ہر آنہ بھی چاہے ہے مرگاں ہونا
 عشرتِ قتل کہ اہل تمنائے پوچھ
 عیدِ نظارہ ہے شمشیر کا غریاں ہونا
 لیکنے خاک میں ہم نایع تمنا نے نشاط
 تو ہوا، اور آپ بہ صد رنگ گلستاں ہونا
 عشرتِ پارہ دل، از غم تمنا ککنا
 لذتِ ریش جگر، غرقِ نمکداں ہونا
 کی مرے قتل کے بعد اس شخصیت سے تو
 بنائے اس شوقِ پشیمان کا پشیمان ہونا
 حیف اس چادرِ کپڑے کی قسمت غالب
 جس کی قسمت میں ہو عاشق کا گریباں ہونا

شبِ ہمارا شوق ساقی رنجیز اندازہ تھا
 تا محیطِ بادہ صورتِ خانہ خمیازہ تھا
 یک قدم دھستے، در میں فیر مگساں کھلا
 جادہ، اجزائے موعالمِ دشت کا شیرازہ تھا
 مانعِ دشتِ غریب، ہائے لیلیٰ کون ہے
 خانہِ مجنونِ صحرا گر دے دروازہ تھا
 پرچہ دستِ رسوائی اندازِ استخفا کے حسن
 دستِ مہونِ حنا، رخسارِ مہینِ ناز تھا
 نازِ دل نے دیئے اور ارقِ لختِ دل بہ باد
 یادگارِ نالہ، اک دیوانِ بے شیرازہ تھا

دوست مخموری میں میسری سہی فرمائیں گے کیا
 زخم کے بھرنے تک ناخن نہ بٹھائیں گے کیا؟
 بے نیازی حد سے گزری، بندہ پر درکب تک
 ہم کہیں گے حالِ دل، اور آپ فرمائیں گے کیا؟
 حضرتِ ناصح گرائیں، دیدہ دل فریش راہ
 کوئی مجھ کو یہ تو سمجھا دو کہ سمجھائیں گے کیا؟
 آج ہاں تیغ و کفن بانو ہے ہوئے جانا ہوں میں
 قند میرے قتل کرنے میں وہ اب لائیں گے کیا؟
 گر کیا ناصح نے ہم کو قیدِ اچھا ایوں ہی
 یہ جنونِ عشق کے انداز چٹ جائیں گے کیا؟
 خانہ زادِ ذلت ہیں، زنجیر سے بھاگیں گے کیوں؟
 ہیں گر قتا برونا، زنداں سے گھبراہٹیں گے کیا؟
 ہے اب اس محمورہ میں قحطِ غم الفت اسد
 ہم نے یہ مانا کہ وہی ہیں کھائیں گے کیا؟

۲۰

یہ نہ تھی ہمارے قسمت کہ مصالحت ہو تا
تسے وعدہ کرے سہم از یہ جان بھڑ جان
تری نانکی سے جان، کہ بندھا تھا عہد یاد
کوئی میرے دل سے کچھ تو ہے تیرے غم کس کس
یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بچے ہیں دستاویز
رگ رنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھوتا
غم اگر چہ جاں گسل ہے پہ کہاں بھرنے کی عمر
کہوں کس سہیل کی کیا ہے شب غم بے بلا عمر
ہم سے مرے ہم بد سوا، جو گلیوں غرق کیا
اُسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یگانہ
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا
کہ خوشی سے مرز جانے اگر اعتبار ہوتا
کبھی تُو نہ توڑ سکتا، اگر استوار ہوتا
یہ غلش کہاں سے ہوتی جو جگہ کچا رہتا
کوئی چارہ ساز ہوتا، کوئی غم گسار ہوتا
جسے غم سمجھ ہے ہو یہ اگر شرار ہوتا
غم بستی گزرتا ہوتا، غم روزگار ہوتا
مجھے کیا بات تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا
جو دفن کی بڑبڑ ہوتی، تو کہیں مہیا رہتا

یہ سائل تصوف! یہ ترابیان غالب
تھے ہم دلی بکھتے جو دبا دہ خوار ہوتا

۲۱

ہوس کو ہے نشت کار کیا کیا؟ نہ ہو مرنا تو جینے کا مزا کیا؟
تجربہ پیشگی سے محسوس کیا؟ کہاں تک ہے سراپا ناز کیا کیا؟

تازہ شائے بے جا دیکھتا ہوں شکایت ہائے رنگیں کا، گھلا کیا؟
 نگاہ بے محابا چاہتا ہوں تلافی ہائے تمکیں آزا کیا؟
 فروغِ شعلہ حسن یک نفس ہوس کر پاسِ ناموس دغا کیا؟
 نفسِ موجِ محیط بے خودی ہے تلافی ہائے ساقی کا گلا کیا؟
 دیاغِ عطر و سیراز من نہیں ہے خیمِ آوارگی ہائے صبا کیا؟
 دل ہر قطرہ ہے، سائزِ انا حیر ہم اس کے ہیں ہمارا پر چٹا کیا؟
 محابا کیا ہے میں ضامنِ دھرو و یکد شہیدانِ نگہ کا خول بہت کیا؟
 سن! اے غلامتِ گریں مٹا سن! شکستِ شیشہ دل کی صدا کیا؟
 کیا کس نے جگر داری کا دھوئے شکیبِ خاطر عاشق بھلا کیا؟
 یہ اقاتلِ وعدہ صبر آزا کیوں یہ اکافِ فتنہ طاقتِ ربا کیا؟

بلئے جاں ہے غالب کی ہر بات

عبارت کیا، اشارت کیا، ادا کیا؟

۲۲

دغہ و غیبِ غیب جب کوئی ہم ملد ہو پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہو
 بندگی میں بھی آزاداںِ خودیں ہیں کہ ہم لٹے چھوٹے دریکبہ اگر دانا نہ ہو
 سب کو قبول ہے حق تعالیٰ کا دبدبہ کوئی محبتِ آتشِ سیراز نہ ہو

کم نہیں انارکشیں ہم تاجی چشم خیراں
 تیرا بیمار بڑا کیا ہے اگر اچھا نہ تھا
 سینے کا داغ ہے وہ نالہ اگر لب تک گیا
 خاک کا رزق ہے وہ قطرہ جو دید نہ تھا
 نام کا میر ہے وہ دھکہ اگر کسی کو نہ ملا
 کلام میں میر ہے وہ فتنہ کر رہا نہ تھا
 ہر مین موتے دم ذکر دیکھے خون آب
 حمزہ کا قہقہہ تھا عشق کا چرچا نہ تھا
 قطرے میں ادھلے لکھناں دوا در جزیر کل
 کھیل لکھن کا ہوا، ویرہ مینا نہ تھا
 حق خبر گرم کر غالب کے امیں گے پرزے
 دیکھنے ہم بھی گئے تھے، یہ تماشا نہ تھا!

۲۳

اسلام و جنون جلاں گدائے بے شواہیں
 کہ ہے سو پنجہ مرگاہن آہو پشت غار اپنا

۲۴

بچے نذر کم چھڑے شرم نار سانی کا
 بخونِ فلفلیڈ صد رنگ دھڑی پار سانی کا
 نہ ہو سخن تماشا دوست رسول بے غانی کا
 یہ ہمہ صد نظر ثابت ہے عوی پار سانی کا
 زکاتِ شمس کے جلوه سبیش کر مہر سارا
 چراغِ خاؤ درخش ہو کا سہ گدائی کا
 نہ مارا جان کو بے جرم تامل تیری گردن پر
 رہا مانند خون بے گند حق آشنائی کا
 تمنائے دباں محو پاس بے زبانی ہے
 مشاحسے تعاضا، شکوہ بے صفت پائی کا

ہی اک بات سے ہویا نفس و انجمن گل ہے چرخ جلوہ یافت، ہری رنگیں نوائی کا
 دہان ہر تپتی پیار، بخیر و بد، درم تک پہنچا چلے تیری بیوقوفی کا
 صف نامے کو تا طول غالب مختصر لکھ دے
 کہ حسرت منج ہوں عرض تم مانے جہانی کا

۲۵

گر ناندہ شبِ ذرت بیاں ہو جا کا بے تکلف ناز و مرصع ویاں ہو جائے گا
 نہ ہو اگر ایسا ہی شامِ جھرم میں تپا ہے آبِ پر تو بہتا سہل خامناں ہو جائے گا
 لے تولوں سوتے ہیں آگے یادوں کا بوسہ اگر ایسی باتوں سے وہ کا فر بد گماں ہو جا کا
 دل کو ہم صربِ دق بکھے تھے کیا معلوم تھا یعنی یہ پہلے ہی نذیر تھاں ہو جائے گا
 سب کے دل میں ہے جگہ تیری بہتو راضی ہوا مجھ پہ گویا اک مانہ مہرباں ہو جائے گا
 گر نگاہِ کرم نہ ملتی رہی تسلیم ضبط شعلہ طس میں جیسے انوں گے میں کہ ہو جا کا
 مانع میں مجھ کو نہ لے جاؤ نہ میرے حلال پر ہر گل تریک چٹخوں قتلاں ہو جائے گا
 دے کر میرا ترا انصاف محشر میں نہر اب تلک تو یہ توقع ہے کہ وہاں ہو جائے گا

ناندہ کیا؟ سوچ، آخر تو بھی دانستہ اسد

دوستی ناداں کی ہے، ابی کا زیاں ہو جائے گا

۲۶

درد منت کشیں دوا نہ ہو
 میں نہ اچھا ہوا نہ ہوا
 جمع کرتے ہو کیوں رقیبوں کو؟
 اک تباہ ہوا گلا نہ ہوا
 ہم کہاں قسمت آزمائے جائیں؟
 تو ہی جب خنجر آزا نہ ہوا
 کتنے شیریں میں تیرے لب کہ قیب
 گالیاں کھل کے بے مزا نہ ہوا
 ہے خبر گرم آن کے آنے کی
 آج ہی گھر میں بوریہ نہ ہوا
 کیا منہ مد کی خدائی تھی
 بندگی میں برا بھلا نہ ہوا
 جان دی، دی ہوئی تھی کی تھی
 حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
 زخم گرد گیا، اہود تھما
 کام گرد گیا دوا نہ ہوا
 دہزنی ہے، کہ دل سمانی ہے،
 لے کے دل، دل ستاں دانا نہ ہوا
 کچھ تو پڑھے کہ لوگ کہتے ہیں

آج غالب غزل سرا نہ ہوا

گم ہے شوق کو دل میں بھی تنگی جا کا
 گہر میں محو ہوا اضطراب دریا کا
 یہ جانتا ہوں، کہ تو اور یا سح کتب
 گرا ستم زدہ ہوں، ذوق خامد فرا کا
 خنہ پائے خنہ بھر ہمارا اگر ہے یہی
 دوام کلفت خاطر ہے عیش دنیا کا
 عزم فراق میں تکلیف سیر گل مست دو
 بھجے داغ نہیں خندہ ہائے بجا کا

منہ محرومیِ محسن کو رہتا ہوں کہے ہے ہرین کو کا چشم بینا کا
 دل اس کو پہلے ہی ناز واداسے دیکھتے ہیں داغ کہاں جس کے نقاشا کا
 نہ کہہ کہ گریہ بہ مقدارِ حسرتِ دل ہے مری نگاہ میں ہے جمع و خرچِ دریا کا
 فلک کو دیکھ کے کرتا ہوں اس کو یادِ اسد
 جفا میں اس کی ہے انداز کا فساد کا

۲۸

تطرفے ابر کجرتِ نفسِ بد ہوتا خطِ جام نے سلسلہِ مشنہ کو گم ہوتا
 اعتبارِ مشق کی خادِ سراپی دیکھنا
 غیر نے کی آہ، لیکن وہ خفا مجھ پر ہوا

۲۹

جب، بہ تقویٰ سفرِ یار نے عمل باندا تپشِ شوق نے ہر قدم پر اک لٹا دیا
 ابنِ مینش نے بہ حیرت کدہ شوقی ناز جوہرِ آئندہ کو طوطی بس لٹا دیا
 یاس و امید نے ایک عرب و میدانِ ناکا محبِ و محبت نے طلسمِ دلِ سائل باندا
 دہندہ ششنگی ذوق کے معنوں غالب
 کہہ دل کھول کے دریا کو بھی حاصل باندا

میں، اور بزمِ مے سے یوں تشہ کا کم مل گزریں نے کی تھی تو یہ، ساقی کو کیا ہوا تھا
 ہے ایک تیرھمیں، دو نوچھٹے پٹے ہیں وہ دن گئے، اک اپنا دل سے جگہ جدا تھا
 دریا نگی میں غالب کچھ بن پڑے تو بانوں
 جب رشتہ بے گرہ تھا ناخن گرہ کش تھا

گھر ہمارا جو مدتے بھی تو دیراں تھا بھرا گزہ بھرا ہوتا، تو سیاہاں ہوتا
 تنگی بول کا گھر کیا، یہ وہ کافروں ہے کہ اگر تنگ نہ ہوتا تو پریشاں ہوتا
 بعد ایک عمر دس، بار کو دیتا بارے
 کاش، رضواں ہی دیریا رکا دیریاں ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
 ڈوبیا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا
 تھا جب غم سے یوں بے حس و غم کیا سر کے کٹنے کا
 نہ تھا اگر حُبِ دلق ہے، تو زائر پر خدا ہوتا
 ہوئی مدت کہ غالب مر گیا پر یاد آتا ہے
 وہ ہر اک بات پر کہنا، کہ یوں ہوتا تو کیا ہوتا

۳۳

ایک ذرۂ نہیں نہیں بے کار باغ کا یاں جاوہ بھی قیلا ہے لالے کے شاخ کا
 بے نئے کسے بے طاقت آشوبِ اکہی کھینچا ہے مجھ کو سدا نے خطا باغ کا
 بنیل کے کاروبار ہیں خندنائے گل کہتے ہیں جس کو عشق وصل ہے باغ کا
 تازہ نہیں ہے نشہ فکیر سخن مجھے تیرا کی قسیم ہوں دو دو چاہ کا
 سربار بند عشق سے آنا دم ہوئے پر کیا کہیں کہ دل ہی مدد ہے فراغ کا
 بے خون دل ہے چشم میں موجِ گریبار یہ نئے کردہ خواب، نئے کے سراغ کا
 باغ گفتہ تیرا باطل نشا و دل
 ابو بہار، احم کدہ کس کے دماغ کا

۳۴

وہ مری چین چین بحرِ عجم نہاں بکھا رازِ مکتوب، بے رطلی منواں بکھا
 یکا افسوس نہیں اسبقل آئینہ ہنوز چلک کتا ہوں میں حبیبِ گریباں بکھا
 شرحِ اسبابِ گرفتارِ غری غلط مت پرچہ اس قندنگ ہوا دل، کہ میر نہاں بکھا
 بدگمانی نے نہ چاہا اسے سرگرمِ خدام رخ پہ ہر قطرِ حرق، آئینہ حیران بکھا
 مجھ سے اپنے یہ جانا کہ وہ بدخو ہوگا نبضِ خس سے پیش شعلہ سوزاں بکھا
 سفرِ عشق میں کی صنعتِ راحتِ طبعی ہر قدم سائے کو میں اپنے ثبتاں بکھا

خاکریں مڑو یا رخصت نام مرگ دُفع پیکانِ تھنا اس قدر آساں بھجا
 دل دیا جان کے کیوں س کو رفا دار اسد
 غلطی کی جو کافر کو سلساں سمجھا

۳۵

پھر مجھے دیدہ تر یا د آیا دل جگہ تشہ فیاد آیا
 دم لیا عطاء قیامت نے ہنوز پھر ترا وقت سفر یا د آیا
 ہادگی ہلے تمنا یعنی پھر وہ نیرنگ لطف یا د آیا
 حذر و اماندگی اے حضرت دل نالہ کرتا تھا صاحب گر یا د آیا
 زندگی یوں بھی گز رہی جاتی کیوں ترا راہ گزر یا د آیا
 کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی گھر ترا خلد میں گر یا د آیا
 آہ وہ جزا تیر یا دکھاں حل سے تنگ آ کے جگہ یا د آیا
 پھر ترے کوپے کو جانا ہے خیال دلِ غم تشہ مگر یا د آیا
 کوئی دیرانی سی دیرانی سے دشت کو دیکھ کے گھر یا د آیا

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں تھند
 سنگ اٹھایا تھا کہ سر یا د آیا

ہونی تاخیر، کچھ باعث تاخیر بھی تھا آپ آتے تھے، مگر کوئی غماں کر بھی تھا
 تم سے حجاب مجھے اپنی تباہی کا گلہ اس میں کچھ شائبہ غریبی تقدیر بھی تھا
 تُو مجھے جھول گیا ہو تو پتا بتلا دوں کبھی فتراک میں تیرے کوئی پنجر بھی تھا
 قید میں ہے تیرے وحشی کو وہی زلفِ کلو ہاں کچھ اک سچ گول باریں پنجر بھی تھا
 بجلی اک کو زد گئی آنکھوں کے نگے تو کیا بات کرتے کہ میں بے تشنہ تقریر بھی تھا
 یوسف اُس کو کہو، او کچھ نہ کہے خیر مرنی گر بگڑ بیٹھے تو میں لالچِ آخریر بھی تھا
 دیکھ کر خیر کہہ کیوں نہ کلیجہ ٹھنڈا ناکر کرنا تھا ولے طالبِ تاثیر بھی تھا
 پیشے میں عیب نہیں کہنے نہ فرما دو گرام ہم ہی آشفہ سہل میں رہ جواں میر بھی تھا
 ہم تھے مرنے کو کھڑے، پاس کیا نہ ہی آؤ اس شمع کے ترکش میں کئی تیر بھی تھا
 پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پناہ آدمی کوئی ہمارا دم تحریک بھی تھا
 رینختے کے ہمیں استاد نہیں ہو غالب
 کہتے ہیں اگلے زمانے میں کوئی تیر بھی تھا

لب خشک، درشنگی مردگاں کا زیارت کردہ ہوں، دل آندھگان کا
 ہمہ نامیدی، ہمہ بدگمانی میں دل ہوں، فریبِ ناخوشگان کا

۳۸

تو دوست کی کامیابی سے گم نہ ہوا تھا امداد ہے وہ ظلم کی مجھ پر نہ ہوا تھا
 چھوڑا میری غیب کی طرح دستِ نھانے خدائے ہنوز اس کے برابر نہ ہوا تھا
 توفیق باغِ ازلہ ہمت ہے ازل سے اکسوس میں ہے وہ قطرہ لگ بھڑ ہوا تھا
 حیب تک نہ دیکھا تھا قیدِ یار کا عالم میں معتقدِ قتلہِ محشر نہ ہوا تھا
 میں سادہ دل، آزدگی سے خوش ہوں یعنی سبقِ شوقِ مکتدہ نہ ہوا تھا
 دریائے ماضی تک آبی ہی ہوا خشک میرا میرا من بھی جڑ نہ ہوا تھا

جاری تھی اس دنیا کی جگہ میرے تحصیل

آتش کدہ، جاگیرِ نمندہ نہ ہوا تھا

۳۹

شب کہ وہ مجلسِ نودِ غلوں میں تھا رشتہ ہر طرح، غارِ کسوتِ فانوس تھا
 مشہدِ عاشق سے کہو کج گئی جہنما کس قدر یادِ بلاکِ حسرتِ پالیں تھا
 حاصلِ آفت نہ دیکھا توجہِ شکستِ آزد دل بہ دل پیوستہ، گویا ایک لپٹا نہیں تھا

کیا کہوں میاں کی خیم کی فراغت کا بیان

جو کہ کیا انہوں نے بے منت کیوں سنا تھا

۴۰

آئینہ دیکھ، اپنا سامنے لے کے رہ گئے صاحب کو دل غم دینے پر کشتا غم تھا
 قاسم کی اپنے ہاتھ سرگوشٹ بنیے اس کی خطا نہیں میرا قصور تھا

۴۱

عرض نیاز عشق کے قابل نہیں رہا جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا
 جانا ہوں دل غم حیرت ہستی بنے ہوئے ہوں شمع کشتہ اور غم محفل نہیں رہا
 مرنے کی لے دل اور ہی تو ہر کر کہ میں شایان دست و بازو نے قائل نہیں رہا
 بڑے شمش جہت در آئینہ باز ہے یاں استیاز ناقص و کامل نہیں رہا
 خاک رینی میں شوق نے بند تھا جہنم غیر از نگاہ اب کئی حائل نہیں رہا
 گرمی رہا رہیں ستم ہائے روزگار لیکن تو بے خیال سے غافل نہیں رہا
 دل سے ہوائے کشت و نامت لگتی کر وں حاصل سوائے حیرت حاصل نہیں رہا

بیدا و عشق سے نہیں ڈرتا مگر اس قدر

جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

۴۲

رہا کہتا ہے کہ اس کا غیر ہے غلام حیدر عقل کہتی ہے، کہ وہ بے ہر کس کا آشنا
 درخت سا بھرے خاتمہ نیرنگ ہے گردشِ بمنوں، چٹمکائے یلہ آشنا

شوق ہے سامان طراز نازش اباب محو فذہ محو دست گاہ و قطرہ دیبا آشنا
 فکارہ سنج رشاب ہم دیگر نہ رہنا چاہیے میرا ناز و مونس، اوہا تمیز تیرا آشنا
 ربط یک شیرازہ وحشت ہیں اجڑائے بہار سبزہ میگاہ، صبا آوارہ، گل نہ آشنا
 کوہ کُتن، نقاش یک تیشاں شیریں تھا اسد
 سنگ سے سرا رکھو دے نہ پیدا آشنا

۲۹

ذکر اس پری وش کا اور پھر میاں اپنا بن گیا رقیب آخر تھا جو راز داں اپنا
 فتنہ کیوں بہت پیتے دہم غیر میں ٹاپ کج ہی ہوا متعلقہ آن کو استخاں اپنا
 متعلقہ بند ہی پر اور ہم نہا سکتے عرش سے اوسر موتا کا ش کر نکاں اپنا
 نے وہ جس قدر دولت ہم ملنے ہی میں لایا باسے آشنا نکلا آن کا پاسیاں اپنا
 در بدل لکھیں کتب، جاؤں انکو نکلا اپنا اگلیاں نگار اپنی، خامہ نچکاں اپنا
 کھیتے گھستے میٹ جانا اپنے میٹ بلا تنگ مجھ سے میر سنگے اسں اپنا
 تاکرے زخم بازی، کرے یاسے دشمن کو دوست کی شکایت میں، ہم خنیاں اپنا
 ہم کہاں کے دانا تھے، کس ہنر میں نکلتے
 بے سبب ہوا غالب دشمن اسماں اپنا

۲۴

مرورہ شفقت نظر میں رہی قیمت ہے کہ ہے چشم خیار پر احساں میرا
 رخصتِ نالہ بچھے دے کہ مبارک اعظام تیرے چہرے سے ہو ظاہر غم نہیں میرا

۲۵

غافل، بہرہ ہم ناز خودا ہے، دنیاں بے شانہ صبا نہیں طسّرہ گیاہ کا
 بزمِ قدح سے پیش تمنا نہ رکھ کہ رنگ صیدِ زامِ حبتہ چاسم گاہ کا
 نکتہ اگر قبول کرے کیا بے حد شرمندگی سے کندہ کرنا لگنا، کا
 مقتول کہ کس نشاط سے جاتا ہوں میں کچھ پُر گل، خیالِ زخم سے مان لگا، کا
 جاں و رہولنے ایک ٹکڑا گرم ہے آند
 پروانہ ہے وکیل، ترے فاد خواہ کا

۲۶

جود سے باز آنے پر، باز آئیں کیا کہتے ہیں ہم تجھ کو منہ دکھائیں کیا
 رات دن گردش میں ہیں کیا سماں ہوئے گا کچھ دیکھ گھب نہیں کیا
 لاک ہو تو اس کو ہم سمجھیں، لگاؤ جب دیکھ بھی تو دھوکا کھائیں کیا
 ہوئے کیوں نامدبر کے ساتھ ساتھ یا رب اپنے خط کو ہم پہنچائیں کیا
 مریخِ خوں سر سے گز رہی کیوں جانے آستانِ یار سے اٹھ جائیں کیا

عمر بھر دیکھا کئے مرنے کی راہ مر گئے، پر دیکھئے دکھلائیں کیا
پرچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے !
کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

۴۷

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی
چمن زنگار ہے آئینہ باد بہاری کا
حریف چوشش دیا نہیں خود داری ساحل
جہاں ساقی ہرگز، باطل ہے دعویٰ پارسائی کا

۴۸

عشرتِ قطرہ ہے دریا میں فنا ہو جانا درد کا حد سے گزرتا ہے دعا ہو جانا
تجربے قسمت میں مری موتِ قفلِ الجبد تھا لکھا بات کے بنتے ہی جدا ہو جانا
دل نہا کھمکش چارہ قسمت میں تمام مٹ گیا گھسنے میں اس عقدہ کا داہ ہو جانا
اب جفا سے بھی میں محروم ہم، اللہ اللہ! اس قدر دشمن اربابِ وفا ہو جانا
ضعف سے گرے مبتدل بدیم سر نہا باور آیا ہمیں پانی کا ہوا ہو جانا
دل سے مٹنا تری انگشتِ حنائی کا خیال ہو گیا، گوشت سے ناخن کا ہوا ہو جانا
ہے مجھ پر بہاری کا بوس کر کھلنا روتے روتے تخمِ فرقت میں فنا ہو جانا

گد نہیں نکھت گل کو ترے کچے کی ہوں کیوں ہے، گدیہ جولاں صبا ہو جانا
 تاکہ تجھ پر کھلے ہجانہ ہوائے سبقت ویکھ برسات میں سبز آنے کا ہو جانا
 بجٹے ہے جلوہ گل ذوق تماشا غالب
 چشم کو چاہئے ہر رنگ میں ماہر جانا

ب

۴۹

پھر ہوا وقت، کہ ہر بال کشاموج شراب
 لہجہ مست میر میریستی ارباب یمن
 جو ہوا غرقے بجٹے سار کھتا ہے
 ہے یہ برسات مہ موسم کہ مجب کیا ہے اگر
 جس قدر سلیقہ نباتی ہے جگر تشنہ نیاز
 بس کہ دوشے ہر رنگ تاک میں غم نہ ہو کر
 موج ہگل سے چو افاس ہے گزر گا و خیال
 نشے کے پڑے میں ہے جو تماشا بے باغ
 ایک عالم ہے ہر طوفانی کیفیت فصل
 شرح ہکا نہ ہستی ہر بے موسم گل
 فے بیلے کو دل دست فنا موج شراب
 سایہ تاک میں ہوتی ہے ہوا موج شراب
 سرے گدے پر بھی ہر بال ہوا موج شراب
 موج ہستی کو کہے فیض ہوا موج شراب
 دے ہے تکیں ہم آب بقا موج شراب
 شہر رنگت ہے بال کشاموج شراب
 ہے تصور میں بس جلوہ نما موج شراب
 بس کہ کھتی ہے سبز و نہا موج شراب
 موج سبزہ زخیز سے تا موج شراب
 ہر قطرہ دیا ہے غم و شام موج شراب

ہوش اڑتے ہیں سرے بلورہ گل دیکھ امد
پھر ہوا وقت اک ہویاں کشا مریج شراب

ست

۵۰

انسوس کہ نڈاں کا کیا سلق نکالنے جن لوگوں کی مٹی دب خور حقد گہر گشت
کافی ہے نشانی تری چھلے کا دینا خالی مجھے حکم لکے برقت سفر گشت
کھتا ہوں اسد سوزش دل سے سخن گرم
نار کھد سکے کوئی مرے جنت پر انگشت

۵۱

رہاگر کوئی تاقیامت سلامت پھر اک دوزمرا ہے حضرت سلامت
جگر کو مرے عشق خوں نابہ مشرب کھے ہے خداوند نعمت سلامت
مناں رنج و دشمن شہید و فدا ہوں مبارک مبارک سلامت سلامت
نہیں گرا سرد و برگیا دسا کپ منی
تماشا نے نیزنگ صورت سلامت

۵۲

سنگیں کھولے ہی کھولتے آئیں غا یا ملا سے میرے بالین سے اُسے پر کس وقت!

۵۳

آدم خط سے ٹہلے سرو ہو باز آیدست
 شعلہ دل ناما قبت سازش ضبط غرق کر
 غار دیلاں سازش میرت تماشا کیئے
 عشق میں پیداویر شکب غیلے راجھے
 چشم ماروشن کہ اس بچے کو دل شاد ہے
 نیر گوں کر لے میری پس مشا یکم میں
 تاکہ میں جانوں کہ چا سکی سائی ہو ملک
 حبیب کہیں کرنا ہوں پنا شکوہ مستغنی
 چپکے چپکے مجھ کو روتے دیکھ پاتا ہے اگر
 مہربانی لئے دشمن کی شکایت کیجئے
 دھمکے کشتہ تھا شاید خطِ خار بدست
 کون لا سکتا ہے تابِ جلوہ دیدار بدست
 صورت نقش قدم ہوں فتور خار بدست
 کشتہ دشمن ہوں عز اگر چہ تھا ہمار بدست
 دیدہ پر خوں ہمارا ساغر شرار بدست
 بے ملکعت دوست ہو جیسے کوئی غمخوار بدست
 مجھ کو دیتا ہے پیام دہندہ دیدار بدست
 سر کرے ہے وہ حدیثِ لبت غنبرار بدست
 ہنس کے کرتا ہے بیانِ خوشی گفتار بدست
 یاسیان کیجے پاس لذتِ آثار بدست

یہ غزل اپنی مجھ سے پسند آتی ہے آپ
 ہے بدلیتِ شر میں غالبِ زبں تکرار بدست

ج

۵۴

نگار میں بندوبست بنگار گیسے آج
 تیری کا طوق حلقہ بیرون در ہے آج

اے عازیت کنارِ کراے آتھام میں سیلاب گریہ دہیے دیوارِ مکتاج

۵۵

لوہم مرعیںِ مشق کے تیسار دار ہیں
اچھا اگر نہ بدتر، میسا کا کیا ملاج؟

ج

۵۶

نفس نہ انجمنِ آرزو سے باہر کھینچ	اگر شراب نہیں انتظارِ ساغر کھینچ
کمال گری سہی تلاشِ دیدہ پد چھ	بہنگ غارِ مرے لئے ہو جو ہر کھینچ
تجھے بہادِ راحت ہو، انتظارِ دل	کیا ہے کس نے اشارہ کنازِ بستر کھینچ
تری طرف ہے جھرت، انتظارِ فرگس	بکوریِ دل درِ چشمِ قیبِ ساغر کھینچ
یہ نیم غمزہ ادا کر حقِ بددلیوتِ ناز	نیامِ پردہ زخمِ جگر سے خنجر کھینچ

مرے قلع میں ہے صبا تے آتشِ نہاں

برے سفرۂ کبابِ دلِ مسد کھینچ

د

۵۷

حسنِ ناز کے کل کش سے چٹا میرے بعد
منصبِ شیفنگی کے کوئی قابلِ درہ
میرنی مغولی انوار و بلامیر کے بعد
شمسِ بھتی ہے تو اس میں دھواں بھٹکا
شعلہِ مشق سیرِ پوش ہوا میر کے بعد
خوں بے دل خاک میں حوالہ جاں پیرنی
بان کے ناخن ہوئے محتاجِ خمیر کے بعد
درِ خودِ مرض نہیں ہو پہلے دوا کو اجا
نگہِ ناز ہے سوسے سے خمیر کے بعد
چاک ہوتا ہے گریہ سب عبدِ میر کے بعد
ہے جنوں اہل جنوں کیلئے آنسوِ دماغ
کون ہوتا ہے حریفِ مردِ انگِ عشق
ہے مکرِ لبِ ساقی پہ صلامیر کے بعد
کد کے تعزیتِ ہر دوا میر کے بعد
غم سے مرنا ہوں کہ اتنا نہیں نیام کوئی

آئے ہے بے کسیِ مشق پہ رونا غالب
کس کے گھر جائے گا سیلابِ بلامیر کے بعد

د

۵۸

جلے ہیں جو یہ پیشِ نظرِ در و دیوار
نگاہِ شوق کو ہیں بالِ دہرِ در و دیوار
دفرِ اشک نے کاٹنے کا کیا یہ رنگ
کیا ہو گئے مرے دیوارِ در و دیوار

نہیں ہے سایہ کہ سُن کر نویدِ مقدم یار
 گئے ہیں چند قدم پیشتر درو دیوار
 ہوئی ہے کس قندلہ زانی سے جسلو
 کہ مست ہے تے کوچے میں نہرو دیوار
 جسے تجھے میر سدا لئے انتظار تو آ
 کہ میں دکانِ متکع نظر درو دیوار
 بجومِ گریہ کا سامان کب کیا میں نے؟
 کہ گر پٹے ڈمرے پاؤں پڑو دیوار
 وہ کہہ کے ہسلے میں نوسلے سے
 ہوئے قدا درو دیوار پر دسد دیوار
 نظریں کھٹکے تہاں تیرے گھر کی آباد
 ہمیشہ روتے ہیں ہم دیکھ کر درو دیوار
 نہ پہنچو بے خودی ہمیشہ مقدمِ سلاب
 کہنا چتے ہیں پٹے سرسبز درو دیوار
 دکھہ کسی سے کہ غالب نہیں زمانے میں
 حریفِ رازِ محبت گمہ درو دیوار

۵۹

گھر حبِ بنا لیا تو سے در پہلے کہے بغیر
 جانے گا اب بھی تو نہ برا گھر کے بغیر
 کہتے ہیں جب ہی نہ مجھے طاقتِ سخن
 جانوں کسی کچلے لکی میں کینہ کر کے بغیر
 کام اُس سے اُڑا ہے کہیں کا جان میں
 یوں نہ کوئی نام شکر کے بغیر
 جی ہی میں کچھ نہیں ہے بجا کر دہم
 سرٹنے یار ہے نہ رہیں پر کے بغیر
 چھوڑ دوں گا میں اس ریتِ کافر کا رجا
 چھوڑے نہ خلق کو مجھے کافر کے بغیر
 مقصد ہے ناز و غمزے کے لشکر میں کام
 پلٹا نہیں ہے دشتِ دُغیر کے بغیر

ہر خیزد ہر شاہد حق کی گفتگو
 فتنی نہیں ہے باد و سافر کے بغیر
 بہاروں میں تو مٹے دو نامہ الفتات
 سنا نہیں ہوں بات کہے کے بغیر
 غلبت نہ کر حضور میں تو بار بار عرض
 ظاہر ہے تیرا محل سب اُن پر کہے بغیر

۶۰

کیوں جل گیا تاب رخ بار دیکھ کر
 آتش پرست کہتے ہیں اہل جہاں مجھے
 کیا آہستے عشق جہاں مام ہو جفا
 آتا ہے میرے قتل کو پر جوش شکست
 ثابت ہوا ہے گردن مینا پر خون غلظ
 دامنہ کا ریا نے کھینچا ستم سے ہاتھ
 بک جاتے ہیں ہم آپس میں سخن کے ساتھ
 دُتار بانہ خود بخود دانت توڑ ڈال
 این آبلوں سے پاؤں گھبرا گیا تھاں
 کیا بد گمان ہے مجھ سے کہ آئینے میں سر
 مگر فی سخی ہم پر برقی تجلی نہ طوبہ پر
 جلتا ہوں اپنی طاقت دیدار دیکھ کر
 سرگرم نالہ ہٹے شر بار دیکھ کر
 رکنا ہوں تم کو بے سبب زار دیکھ کر
 مرتا ہوں اُس کے ہاتھ میں تار دیکھ کر
 لرزے ہے موج مے تری رفتار دیکھ کر
 ہم کو جریں لذتِ آزار دیکھ کر
 لیکن ہیا رطیع حویدار دیکھ کر
 رہر و چلے ہے راہ کو ہموار دیکھ کر
 جی خوش ہوا ہے راہ کو پر غار دیکھ کر
 ٹکڑی کا مکس مجھے ہے زنگار دیکھ کر
 دیتے ہیں باد و اُلفتِ توخِ خوار دیکھ کر

مرچھوڑناں غالبِ شوریہ محل کا
یاد آ گیا مجھے تری دیوار دیکھ کر

۶۱

رزقِ مرادل، رحمتِ ہمدردِ جنتاں پر
میں ہوں وہ قطرۂ شبنم، کہ ہو خایہ بیاباں پر
نچھوڑی حضرتِ یسوت نے یاں بھی خانہ آرائی
سفیدی دیدۂ یعقوب کی بھرتی ہے زخاں پر
فنا تعلیم در کس بے خودی ہوں میں زمانہ فکر
کہ مجھ مل لام الف لکھتا تھا دیوارِ دلہستاں پر
فرقت کس قدر رہتی مجھے تشویشِ مرہم سے
بہم گر صلح کرتے پارہ ہائے دل منکھل پر
نہیں تسلیمِ الفت میں کوئی طواریہ ناز ایسا
کہ پشتِ چشم سے جس کی دھوکے ٹہر عنوان پر
مجھے اب دیکھ کر ابیرِ شفق آلود یاد آیا
کہ فرقت میں تری آتشِ برستی ممتی گلستاں پر
بجز پروانہ شوقِ ناز کی باقی رہا ہو گا

قیامت اک ہوائے تند ہے خاکِ شہیداں پر
 دلا ناص سے غالب کیا ہوا گلشنِ شدت کی
 ہمارا بھی تو آخر دور چلتا ہے گریباں پر

۶۲

ہے میں کہ ہر اک ان کے اشارے میں نشان اور
 یارب وہ نہ بچے پیش بھگیں گے مری بات
 ابد سے ہے کیا اس نگہ ناز کہ ہر روز
 تم شہر میں ہو تو میں کیا غم جب نصیب کے
 ہر چند بکشتِ سحریت تھکنی میں
 ہے خونِ جگر جو شہر میں لکھوں کہ دوتا
 مڑتا ہوں اس آواز پر ہر چند سڑ سڑائے
 لگوں کہ ہے خود شید جاتا بکا دھوکا
 یقیناً اگر مل جھیں دیتا کوئی دھچک
 پاتے نہیں جب یا تو چڑھ جاتے میں تالے
 کہتے ہیں محبت، تو گزرتا ہے کہاں اور
 جھلک ابد دل ان کو جو دھسے مجھ کو زباں اور
 ہے تیر مقرر مگر اس کی ہے کہاں اور
 لے آئیں گے بازار سے جا کر لے جاں اور
 ہم ہیں تو اسی راہ میں ہے سنگ گراں اور
 جوتے جو کسی دیدہ خونِ برنشاں اور
 بناد کو لیکن دو کچے جائیں کہ ہاں اور
 ہر روز دکھاتا ہوں میں ایک داغِ نہاں اور
 کہتا جو دم ترا کوئی دن آہ و فغاں اور
 لگتی ہے مری طبع تو ہوتی ہے واں اور

ہیں اور بھی دنیا میں مخمور بہت اچھے
 کہتے ہیں کہ غالب کا ہے اغازِ بیاں اور

۶۳

مفائے حیرت آمیز ہے سلاں ننگ آخر
تغیر آب برجامانہ کا پالم ہے ننگ آخر
ذکی سامان پیش مہمان نے تیر و شکی
تھا جام زمرہ بھی طبع پلنگ آخر

۶۴

جنوں کی دشگیری کس سہو گر شہرانی
گر یہاں چاک حق بر گیا میری گردن پر
برنگ کے غذا ترش زدہ نیز نگ بیتابی
ہزار آئینہ دل بانسے ہر بل کی پین پر
فلک ہے ہم کو دیش فتنہ کا کیا اتھاٹھے
مسک زدہ کہ بجے جو ہیں قرض ہر حق پر
ہم وعدہ ہے سبب بچ، آشنا دشمن کہ کھٹا
شاع ہرے تہمت نگر کی چشم دزدن پر
فنا کو سو نہ کر، مشاق کو اپنی حقیقت کا
فروغ طالع خاشاک ہر موتوں کھن پر
اسد بس ہے کس انداز کا تال سے کہتا ہے
کہ مشق ناز کہ خون و عالم میری گردن پر

ستم کش مصلحت ہوں، کہ خدایاں تجھ پر عاشق ہیں
تکلف بر طون مل جلے گا تجھ سا رقیب آخر

۶۵

لازم تھا کہ دیکھو ملرتہ کوئی دن اور
تنبائے کیوں! اب تو تنہا کوئی ملانہ

مٹ جائے گامزر گزرا تھر نہ گھسے گا ہوں دور پہ تھے تاصیہ فرسا کوئی دن اور
 تے ہو لہذا مٹ ہی کہتے ہو کہ جاؤں ماما کہ ہمیشہ نہیں اچھا کوئی دن اور
 جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو دیکھے کیا خوب اقیامت کلام گویا کوئی دن اور
 ہاں اے نیک پر ہوا تھا بھی رقت کیا تیرا بگڑا ہوا مرنا کوئی دن اور
 تم ماہ شب چاند ہم تھوڑے گھسے پھر کیوں رہا گھر کا نقشہ کوئی دن اور
 تم کوئی ایسے تھے کمرے اور تہ کے کرتا ملک الموت تھا ماکوئی دن اور
 مجھ سے تمہیں نفرت تھی تیرے لڑائی بچوں کا بھی کیا تماشہ کوئی دن اور
 گندمی نہ بہر حال یہ مدت خوشم ہوش کرتا تھا ہواں مرگ گزرا کوئی دن اور

ناداں ہو جو کہتے ہو کہ کیوں جیتے ہیں غالب
 قسمت میں ہے مرنے کی تمنا کوئی دن اور

۴۲

۶۶

فانی مجھے نہ جان کر مانند صبح و چہر ہے دلغ عشق زینت جیب کفن مہنہ
 ہے ناز مفلس کی مانند صبح و چہر ہڈی گل فروش خوشی دلغ کہن ہنوز
 مے خاں جگر میں یہاں خاک بھی نہیں !
 خمیازہ کہنے ہے بہت بے داد فن مہنہ

۶۷

حریفِ مطلبِ مشکل نہیں، فسونِ نیاز
 دُعا قبول ہو یا رب کہ عمرِ خضرِ دراز
 نہ ہوئے ہرزہ بیا باں نہ بروہم و جود
 ہنوز تیسے قصود میں ہر نشیبِ قرار
 وصالِ جلوہ تماشا ہے، چڑھنے کہاں
 کہ بجے آئینہ انتظا، کہو پر ہزار
 ہر ایک فترۂ عاشق ہو آفتابِ پرست
 گئی نہ خاک ہوئے پر ہوئے جلوہ ناز

نہ پوچھو دستِ میخاؤ جنوں غالب

جہاں بہ کاسۂ گردوں ہے اک خاکِ انداز

۶۸

کیونکر اس سے رکھوں جان عزیز
 کیا نہیں ہے مجھے ایمان عزیز
 دل سے نکلا ہے نہ نکلا دل سے
 ہے ترے تیر کا پیکان عزیز
 تاب لائے ہی بنے گی غالب !
 واقعہ محنت ہے اور جان عزیز

۶۹

دستِ سخی کرم دیکھ کر ترسا رخاک
 گدے ہے آبلہ پا ابیر گہر بارہ ہنود
 یک قلم کا فترۂ آتش نہ ہو صفحہ وشت
 نقشِ پائیں ہے تپ گہرئی رفتار ہنود

نگہلِ فہم ہوں نہ پڑے ساز
 تو اور آرائشِ خشم کا کل
 لافِ تمکینِ فریبِ ساوہ دلی
 ہوں گرفتارِ الفتِ صیاد
 وہ بھی دلی ہو کہ اس ختمِ گر سے
 نہیں دل میں مرے قطرہِ غم
 اے ترا جلوہ یک قلمِ انگیز
 تو ہوا حب وہ گر مبارک ہو
 مجھ کو پہچان تو کہچھ غضبِ ہوا
 میں غریب اور تہِ غریب نواز
 میں ہوں بچی شکست کی آواز
 میں اور اندیشہ ہائے محدود
 ہم ہیں اور راز ہائے سینہ گھڑ
 در نہ باقی ہے طاقتِ پرواز
 نازِ کھینچوں بجائے حسرتِ ناز
 جس سے شگلاں ہوئی نہ ہو کلاباز
 اے ترا ظلم سدا بر انداز
 دیدِ بخشِ مجیدِ حسینِ نیاز
 میں غریب اور تہِ غریب نواز

اسد اللہ خاں تمام ہوا
 اے دروغدارِ رندِ شاہِ نیاز

س

مژدہ، اے ذوقِ اسیری کہ نظر آتا ہے
 دامِ خالی، نفسِ مرغِ گرفتار کے پاس

جگر تشنہ آزار، تسلی نہ ہوا

ہوئے خوں ہم نے بہانی بن ہر خار کے پاس
مُند گئیں کھوتے ہی کھولتے اکھیں ہے ہے

خوب قتلے تم اس عاشقِ بیمار کے پاس
میں بھی رک رک کے نہ مرتا ہوں زباں کے بدلے

دشمن اک تیز ما ہوتا مرے غمخوار کے پاس
دہن شیر میں جا بیٹھنے، لیکن اے دل

نہ کھڑے ہو مجھے خوابِ دل آزار کے پاس
دیکھ کر تجھ کو چین، بس کہ نہ کرتا ہے

خود بخود سینے سے گل گوشہ دستار کے پاس
مر گیا پھوڑ کے سرفراںبِ مِشی ہے ہے

بیٹھنا اس کا نہ اگر قری دیوار کے پاس

ش

دلیوے گرخص جو ہر طراوتِ بہارِ شمع
لگا دے خانہ آئینہ میں دئے نگار آتش

فرغِ سخن سے ہوتی ہر شکلِ عاشق
نکلے شمع کے پائے نکلے کر دعا آتش

ع

جادو رہ خور کو وقت شام ہے تا شمع
چرخ داکر تا ہے ماہ کو سے آغوشِ داغ

۴۳

سُخِ بھار سے ہے سوزِ جادوئی شمع
زبانِ اہل زباں میں ہے مرگِ خاموشی
ہوتی ہے آتشِ گلِ آبِ زندگانی شمع
یہ بات بزمِ میں وشن ہوتی زبانِ شمع
کر سبک صرف یہ ایلنے شعلہ قفسِ شام
بطنِ زائل قفا ہے فسادِ خزانِ شمع
غم اس کو صرت پر واد کا ہے شعلہ
نرے لڑنے سے ظاہر ہے ناتوانی شمع
توے خیل سے صوح امتہ از کرتی ہے
یہ جلوہ یزی باد وہ پریشانی شمع
نشاۃِ دلخِ غمِ مشق کی ہمارے پوچھ
مگفتگی ہے شہیدِ گلِ خزانِ شمع

جلے ہے دیکھ کے بالینِ یار پر مجھ کو
نہ کیوں ہمدل پر مے داغِ بدگمانی شمع

ف

۴۴

بیمِ رتیبے نہیں کرتے دلخِ ہوش
جستہ ہے دل، کہ کیوں ہم اکابرِ جل گئے
مجددیاں تھک گئے اے اختیارِ حیف!
اے نامتائیِ نفسِ شعلہ بارِ حیف!

ک

۷۵

زخم پر چھڑکیں کہاں غفلت لے کر داناںک
 گردِ راہ یار ہے سلمان نازِ زخمِ دل
 نالہ بیل کا درواں خندہ گل گناںک
 شوریہ جلاں تھا کنارِ بحرِ کس کا آج
 یاد دیتا ہے میرے زخمِ جگر کی داہوا
 چھڑ کر ساتنِ بحرِ عاشقِ حیف
 زخم کی منت نہ کیں غور گارے تو فیرو
 یاد ہیں غالب سب تجھے وہ دل کہ وہیذوق میں
 زخم سے گرتا تو میں پلوں سے چنتا تھا نک

۷۶

آنکھ چاہئے اک مراثی ہونے تک
 دامِ ہر موج میں ہے ملکہِ صد کامِ خنک
 کون جتنا ہے تری زلفِ سر پہنے تک
 عاشقِ حریفِ طلب اور توتے تاب
 دیکھیں کیا گڑے جو قطرے پہ گہر چنک
 ہمنے مانا کہ تغافل نہ کر دے لیکن
 دل کا کیا رنگ کہ رخِ بن جگر مرنے تک
 خنک ہو جائیں گے ہم کو خبر مرنے تک

پہ تو غور سے ہے شبنم کو فنا کی تعلیم
 میں بھی ہو دل ایک عنایت کی نظر ملنے تک
 ایک نظریش نہیں فرصت ہستی غافل
 گرمی بزم ہے ایک قصہ شر ہوئے تک
 عجم ہستی کا استد کس سے ہو بزم مرگ علاج
 شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

گ

گر تجھ کو ہے یقین اجابت دعا تک
 یعنی بغیر ایک دل بے مدعا نہ ملے
 آتا ہے داغِ حسرتِ دل کا شمار یاد
 مجھ سے مرے گد کا صاحبِ خزانہ ملک

ل

ہے کس قدم ہلکے لیب ہوئے گل
 بیل کے کاروبار پر ہیں خند طے گل
 آزاد ہی نسیم مبارک کہ ہر طرف
 لڑنے پڑے ہیں حلقہ بوبہم ہوئے گل
 جو تھا سود موجِ رنگ کے دھوکے میں گیا
 اے وائے نادانِ بختی میں لڑنے گل
 خوش حال اس حریفِ ریخت کا کہ جو
 رکھتا ہوا خصلِ سہا یہ گل سرو پائے گل

ایجاد کرتی ہے اسے تیرے لئے بہار میرا قیب ہے نفسِ مٹرائے گل
 شرمندہ لکھتے ہیں بھیجے باد بہار سے مینائے بے شرابِ دل بے موائے گل
 سطوت سے تیرے جلوہ بخش غم کی خوں سے مری نگاہ میں نگائے گل
 تیرے ہی جلوے کا ہے یہ صحرائے کج بے اختیار دوڑے ہر گلِ رقتائے گل
 غالب مجھے ہے اُس سے ہم آغوشی آرزو
 جس کا خیال ہے گلِ حبیبِ قبا ئے گل

م
۷۹

غم نہیں ہوتا ہے آزاد دل کو بیش ازیک نفس
 برق سے کھلتے ہیں روشن شمعِ ماتمِ خاندہم
 محفلیں برہم کرے ہے گنجفہ بازِ خیال
 ہیں ورقِ گردانی، نیرنگِ یک بتِ خاندہم
 باوجودیک جہاں، منہ گامہ پیدا فی نہیں
 ہیں چو افغانِ شبستانِ دل پر وادہم
 صنعت ہے نے قناعت سے یہ ترکِ مستحضر
 ہیں وہاں تکیہ گاہِ ہمتِ مردانہم

دائم الحبس اس میں ہیں لاکھوں تمناؤں اسد
جاتے ہیں سینہ پُر خوں کو زنداں خانہ ہم

۸۰

یہ نالہ اصل دل بستگی فراہم کر متاعِ خانہ زنجیرِ مجذوم معلوم

۸۱

مجھ کو دیارِ غمیر میں مارا وطن سے دُور
رکھ لی مرے خدا نے مری بیکسی کی شرم
وہ حلقہ ہائے زلف کہیں میں ہے اے خدا
رکھ لیجو میرے دعویٰ دارِ ستگی کی شرم

ن

۸۲

لوں دامِ بختِ خفتہ سے یک رخِ ابِ خوش دے
غالب یہ خیفے، کہ کہاں سے ادا کروں

۸۲

وہ فراق اور وہ وصال کہاں وہ شبِ روزِ ماہ و سال کہاں
فرحتِ کار و بارِ شوق کے ذوقِ نظارہِ حمال کہاں

دل تو دل وہ دماغ بھی نہ رہا شورِ سودائے خط و مثال کہاں
 مٹی وہ اک شخص کے تصور سے اب وہ رشتائی خیال کہاں
 ایسا آساں نہیں ابوروتا دل میں طاقت، جگر میں مل کہاں
 ہم سے چھوٹا تمنا خداداد عشق واں جو جادویں اگرہیں مال کہاں
 فکر و دنیا میں سر کھپاتا ہوں میں کہاں اور یہ رمال کہاں

مفصل ہو گئے قدیمی غالب

وہ عناصر ہیں استدلال کہاں

۸۲

کی وقایہ سے تو غیر اس کو جفا کہتے ہیں ہر قی آئی ہے کہ اچھوڑ کر بڑا کہتے ہیں
 رنج میرا اپنی پریشانی خاطر ان سے کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھنے کیا کہتے ہیں
 اگلے دنوں کے ہیں یہ لوگ نہیں کچھ بکھر جوئے و نغمہ کو اندہ رہا کہتے ہیں
 دل میں آجانے میری ہمتی جو فرصت بخش ہے اور پھر کون سے نالے کو رسا کہتے ہیں
 ہے پرے سرحدِ اوداک سے اپنا سجود قبلہ کو اہل نظر قبلہ نما کہتے ہیں
 پلنے انکار پہ جب تک تجھے رحم آیا ہے غابرہ کو ترے ہم مہر کیا کہتے ہیں
 اک شر و دل میں اس سے کوئی گھبائے گیا آگ مطلوب ہے، ہم کو جو مہوا کہتے ہیں
 دیکھنے لاتی ہے اس شمع کی نوبت کیا رنگ اس کی ہر بات پہ ہم نام خدا کہتے ہیں

دہشت و شیفۃ اب مرثیہ کہو میں شاید
مرگیا غالب آشفستہ لڑا کہتے ہیں

۸۵

آبر کیا خاک اُس نعل کی کہ گلشن میں نہیں
ضعف اے گر کچھ باقی مرتن میں نہیں
بد گئے ہیں جمع اجڑائے نگاہ آفتاب
کیا کہوں تار کی زندانِ غم اندھیر ہے
روشن ہستی ہے عشقِ خانہ دیلاں سے
رخم سلوانے سے مجھ پر چار بھوئی کا طعن
بس کہ ہیں تہ اک بہانہ کے اے جو
قطرہ قطرہ اک ہی سولی ہے نئے ناسوکا
لیکن ساقی کی نخوت قلمِ آشامی مری
ہر نشاِ ضعف میں کیا تا لڑائی کی نود؟
ہے گریباں رنگ پر امن جو دامن میں نہیں
رنگ ہو کر لڑ گیا جو خون کے دامن میں نہیں
ڈرے اس کے گھر کی دیوار کو روزن میں نہیں
چنبہ نورِ صبح سے کم جس روزن میں نہیں
انجن بے شمع ہے گر برقِ خرمن میں نہیں
غیر سمجھا ہوا کہ لذتِ خیم سوزن میں نہیں
جلوہ گل کے سوا اگر اپنے دامن میں نہیں
خزل بھی ذوقِ دردِ فانی مرتن میں نہیں
موجِ نئے کی آج رگِ مینا کی گردن میں نہیں
قدر کے بھکنے کی بھی گنجائش سے تیں میں نہیں

مستی وطن میں شان کیا غالب کہ ہو غربت میں قدر
بے تکلف ہوں دہشتِ خس کہ گلشن میں نہیں

۸۶

مہدے سے مچ مار کے باہر نہ آسکا گر اکا دا ہو تو اے اپنی تفتا کہوں
 حلقے میں جٹم اچھے کٹاؤں بسنے دل ہزار زلف کو نگہ سرمہ سا کہوں
 کیں اور صد ہزار لائے جگر خراش تو اور ایک دن شین دن کر کیا کہوں
 ظالم مرے گماں سے مجھے منفصل نہ چاہ
 ہے ہے عزا نہ کر وہ رکتھے دفا کہوں

۸۷

مہاں ہکے بلاو مجھے چاہو جس وقت میں گیا وقت نہیں مگر پیر بھی سکوں
 صنعتیں طعنہ اختیار کا حکوہ کیا ہے بات کچھ سرتو نہیں ہے کراٹھا بھی سکوں
 زہر مٹا ہی نہیں مجھ کو ستم گر درد نہ
 کیا قسم ہے ترے ملنے کی کہ کھا بھی سکوں

۸۸

ہم سے کھٹل جاؤ بوقت سے پرستی ایک دن
 درد نہ ہم چھٹیں گے رکھ کر مذرتی ایک دن
 غرہ امج بنائے عالم امکاں نہ بد چھہ !
 اس بلندی کے نصیبوں میں ہے پرستی ایک دن

قرض کی پتے تھے مے لیکن سمجھتے تھے کہ ہاں
 رنگ لائے گی ہماری فاقہ مستی ایک دن
 غم ہائے غم کو ہی اے دل غنیمت جانئے
 بے صدا ہو جائے گا یہ سازِ ہستی ایک دن
 دھول و چٹا اُس سراپا ناز کا شیوہ نہیں
 ہم بھی کر بیٹھے تھے غالب پیشِ دستی لیکن

۸۹

ہم پر جفا سے ترکِ وفا کا گماں نہیں
 کس منہ سے حکم کیسے اس لطفِ فاجر کا
 ہم کو ستمِ عزیزِ شتم کہہ کہ ہم عزیز
 بوسہ نہیں، اندیشے دشنام ہی بھی
 ہر چند جاں گداز نہی تہر و حساب ہے
 جاں مغرب ترانہ دلِ مرثیہ کی ہے
 خنجر سے چیر سینا اگر دل نہ ہو دو نیم
 ہے نگ سینہ دل اگر آتش کردہ نہ ہو
 نقصان نہیں جنوں میں ملے ہو گھرِ خراب
 ایک پھیڑ ہے وگرنہ مراد امتحان نہیں
 پریش ہے اور پائے سخنِ دریاں نہیں
 نامہ ریاں نہیں ہے اگر مہرباں نہیں
 آخرِ دباں تو رکھتے ہو تم۔ گرد ہاں نہیں
 ہر چند پشت گری تمب دلوں نہیں
 لب پر وہ سنجِ زعفرانِ لال نہیں
 دل میں چھری چھوڑو گرو چھکاں نہیں
 ہے عابدِ نفس اگر ذرخشاں نہیں
 سو گز زمیں کے بدلے یہاں گراں نہیں

کہتے ہو کیا الکحل ہے تری سر نوشت میں؟ گویا زمیں پہ سجدۂ ست کا شان نہیں
 پاتا ہوں اس سے اچکھانچے سخن کیں روح القدس ذکرِ حرامِ دباں نہیں
 جاں ہے یہاں بوسہ لے کیوں کہ ابھی
 غالب کو جانتا ہے کہ وہ نیم جاں نہیں

۹۰

مانع دشتِ لورہی کوئی تیر نہیں ایک چکے پھرے پاؤں میں زنجیر نہیں
 مشرقی سرشت میں دوٹائے ہر جھک کر پہاں جاوہ غیبِ آرزو دیدہ نصیر نہیں
 حسرتِ لذتِ آنا رہی جاتی ہے جاوہِ راہِ وفا جز دمِ شمشیر نہیں
 رنجِ نو میدیِ حبا دید گوارا رسوخِ ہوش ہوں گر نالہ زبانی کشِ تاثیر نہیں
 سر کھجما ہے جہاں نغمِ سراپا ہو جائے لذتِ رنگ بہ اندازہِ تقریر نہیں
 جب کرمِ خصیتِ بیا کی دگستاخی دے کوئی تقصیر بحرِ محبتِ تقصیر نہیں
 غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ
 ”آپ بے ہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں“

۹۱

مت روک دیرہ میں سمجھو یہ نگاہیں !
 ہیں جمع سویدائے دلِ چشم میں آریں !

۹۲

برفگار دیدہ عاشق ہے دیکھا جائے
کھل گئی ماتہ گل سو جا سے دیوارِ حین
الذات گل سے غلط ہے دعویٰ وارثی
سوسے باد صفت آزادی گرفتارِ حین

۹۳

مشقِ تاثیر سے نوید نہیں
جاں سپاری شجرِ پید نہیں
سلطنتِ دستِ بستاؤ ہے
جامِ ہے خاتمِ ہمشید نہیں
چھبیلی تری سامانِ وجود
آزمے پر تو خورِ شید نہیں
دادِ عشقِ درسا ہوا جائے
وردِ مر جانے میں کچھ صید نہیں
گردشِ نگارِ طربِ ڈر ہے
نغمِ محرومیِ جاوید نہیں
کہتے ہیں جیتے ہیں امید پر لوگ
ہم کہ جیتے کی بھی امید نہیں

۹۴

یہاں تیرا نقشِ قدم دیکھتے ہیں
خیاباںِ خیاباںِ آدم دیکھتے ہیں
دلِ شغفِ گلابِ گلِ کنجِ دہن کے
سویا میں سیرِ قدم دیکھتے ہیں
ترے سرِ قامت کے اک تداوم
قیامت کے فتنے کو کم دیکھتے ہیں
تماشا کر لے عمو آئینہ داری
تجھے کس تمنا سے ہم دیکھتے ہیں

سُراخِ ثَلَبِ نالہ دل سے کہ شب کو کا نقشِ قدم کھتے ہیں
 بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
 تماثلنے اہلِ کرم دیکھتے ہیں !

۹۵

ملتی ہے خمنے یا سے نارِ التہاب میں کافر ہوں گرنہ ملتی ہو راحتِ مذہب میں
 کیسے ہوں، کیا تباؤں جہانِ خواب میں شبِ ثلے سحر کو بھی رکھوں گہ حساب میں
 کا پھر انتظار میں نیند اُسے عمر بھر آنے کا عہد کر گئے اُنے جو خواب میں
 قاصد کے آتے آتے خطا کا دیکھ کر میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں
 مجھ تک کی ہر مہم میں تھا دورِ عالم ساتی نے کچھ ملا نہ دیا ہو شراب میں
 جو منکرِ دغا ہو فریب اس پر کیا چلے کیوں بدگماں ہوں سسکے دشمنِ باب میں
 میں مضطرب ہوں صل میں خیرِ قیاس ڈالا ہے تم کو دم کے کسین بچ رہا میں
 میں اور حقد و وصل خدا ساز باتیں، جاں نذر دینی بھول گیا اضطراب میں
 ہے تیور سی چڑھی ہوئی اندر نقاب کے ہے اک شکن پڑی ہوئی طرفِ نقاب میں
 لاکھوں لگاؤ ایک چڑانا نگاہ کا لکھوں بناؤ ایک بگڑنا نقاب میں
 وہ نالہ دل میں خس کے برابر بگڑ پائے جس نالے سے شگاف پڑے آفتاب میں
 وہ سحرِ دعا طلبی میں نہ کام آئے جس سحر سے سفینہ سواں ہو شراب میں

غالب پختی شراب پرابھی کیسی کیسی
پیتا ہوں روڑہیروشب ماتاب میں

۹۶

کل کیلئے کر آج زخمت شراب میں
ہیں آج کیوں دلیل کر کل تک تھی پسند
جہاں کیوں ٹکٹنے لگتی ہے تن میں مسموم
رو میں ہے خوش غم کہاں دیکھئے غمنے
اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت کی بعد ہے
اصل نمود و شاہد و مشاہد و ایک ہے
ہے مشعل نمود و نمود پر و نمود بحر
شرم اکا دائے ناز ہے اپنے ہی کو سہی
آرائش جمال سے فارغ نہیں نمود
ہے غیب غیب جب کو سمجھتے ہیں ہم نمود

یہ نمود مظن ہے ساقی کو شکرے باب میں
گستاخی فرختہ ہماری جناب میں
گرد و صدا سمانی ہو چنگے رباب میں
لے ہاتھ باگ پر ہے نیا ہے کاب میں
بتنا کہ دم غیب سے ہون سچ تاب میں
حیراں ہوں پھر مشاہد ہے کس حساب میں
یاں کیا دھڑ ہے قطرہ و موج و تاب میں
ہیں کتنے بے حجاب کہ ہر نیں حجاب میں
پیش نظر ہے آئندہ دائم نقاب میں
ہیں خواب میں نمود و جواگے ہر خواب میں

غالب ندیم دوست کے آتی ہے بڑے دوست
مشغول حق ہوں، بندگی بڑے تراب میں

حیراں ہوں دل کو روئل کی پٹیوں جگہ کہ میں
 مقدر ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کوئیں
 چھوڑا درخشاں کہ تے گھر کا نام لوں !
 ہر اک سے پوچھتا ہوں کہ جاؤں کدھر کہ میں
 جانا پڑا رقیب کے در پر مزار بار
 اے کاش جاتا نہ تھی رہ گزیر کوئیں
 ہے کیا بہر کس کے باندھے میری بلا ڈھے
 کیا جاتا نہیں ہوں ہتھاری مکر کوئیں
 اور وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ فنا ہے
 یہ جانا اگر تو لٹاتا نہ گھر کوئیں
 چلتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک تیز رو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کوئیں
 خواہش کو احمقوں نے پرستش دیا تیرا
 کیا پوچھتا ہوں اس بُتِ بیداد گر کوئیں
 پھر بے خودی میں بھول گیا راؤ کھٹے یا ر

جاتا وگرنہ ایک دن اپنی خبر کو نہیں
اپنے پر کر رہا ہوں قیاس اہل دہر کا
سمجھا ہوں دل پذیر متاعِ شہر کو نہیں
غالب خدا کرے کہ سوارِ سندانہ
دیکھوں متلی بہادری الی گہر کو نہیں

۹۸

ذکر میرا: بدی بھی اُسے منظور نہیں
وعدہ سیرِ گستان ہے خوشالایحِ شقی
غیر کی بات بگڑ جائے تو کچھ دُور نہیں
شاہِ مستیِ مطلق کی کمر ہے عالم
مژدہ قصِ مقدم ہے جو مذکور نہیں
قطرہ اپنا بھی حقیقت ہیں دیا لکین
لوگ کہتے ہیں کہ ہے "پر ہم منظور نہیں
ہم کو تقلیدِ رنگِ ظرفی منظور نہیں
عشرتِ اے فوقِ خرابی اکوہِ طاقِ ہی
عشق پر عہدہ کی گوں تنِ رنجور نہیں
ظلم کر ظلم! اگر طعنت فریخ آتا ہو
تو تفاؤل میں کسی رنگِ محذور نہیں
میں جو کہتا ہوں کہ ہم لکے قیامت نہیں
کس عودت کو کہتے ہیں کہ ہم محکم نہیں
صاف دُور کی کشیدہ سیانہ ہم پر ہم کو
فائے بادہ کہ انشودہ انگور نہیں

ہوں ظہیری کے مقابل میں خفائی غالب
میرے دعوے پر یہ محبت ہے کہ مشہور نہیں

تالہ جہنم لالہ، اسے ستم کیا نہیں
 عشق و ضروری مشرک خرم کیا نہیں
 کم نہیں وہ بھی خرابی میں اپنی دوست معلوم
 ابن سینا کو ہے طوفانِ جلوت کتب
 دے مظلومی تسلیم و بردارِ حال و فنا
 رنگِ مشکین گل و لالہ پریشان کیوں ہے؟
 عیدِ گل کے تلے بند کرے ہے گلچیں
 نفی سے کرتی ہے اثباتِ طراوش گویا
 کم نہیں جلوہ گری میں کچھ شہرِ شہر
 کرتے کس منہ سے ہونٹ کی شکایت غالب

تم کو بے مہرئی یارانِ وطن یاد نہیں؟

دونوں جہان گئے نہ مجھے یہ خوش رہا
 متک متک کے ہر مقام پر چارہ گئے
 کیا شمع کے نہیں ہیں ہوا خواہ اہل بزم؟
 تیرا یاد پاؤں تو ناچار کیا کریں؟
 ہر غم ہی جلاں لگاؤ تو غم خوار کیا کریں؟
 یان اپڑی یہ شرم کتک لہ کیا کریں؟

۱۰۱

ہو گئی ہے غیر کی شیریں زبان کی کارگر
عشق کا اسکو گماں ہم نے زبانوں پر نہیں

۱۰۲

قیامت ہے کہ سن لیلیٰ کا دشتِ قیس میں آنا
تو تیرے وہ بول لاریوں بھی ہوتا ہے زلزلے میں
دلِ نازک پر اس کے رحم آتا ہے مجھے غالب
دکڑا سرگرم اس کا فز کو الفت آزمائے میں

۱۰۳

دل لگا کر لگ گیا ان کو بختی نہا بیٹھنا
ہیں زوالِ آملہ اجزا آفرینش کے تمام
بائے اپنی بیکسی کی پانی ہم نے ادایاں
مہر کے دلوں ہے چرخِ رہ گزار بادیاں

۱۰۴

یہ ہم جو بحر میں دیوار دور کو دیکھتے ہیں
نظر لگے نہ کہیں آسکے دستِ بازو کو
کبھی صبا کو کبھی نامہ بر کو دیکھتے ہیں
یہ لوگ کیوں سر دھم مگر کو دیکھتے ہیں
ترے جواہرِ طرف کد کو کیا دیکھیں
ہم امچ طالعِ مل و گہر کو دیکھتے ہیں

۱۰۵

نہیں، کہ مجھ کو قیامت کا اعتقاد نہیں
 کوئی کہے کہ شبِ مہ میں کیا برائی ہے
 جو آؤں سامنے ان کے تو مرجان کہیں
 کبھی جویا بھی آتا ہوں میں کہتے ہیں
 علاوہ عید کے طق سے اور دن بھی شرب
 جہاں میں ہو غم و شادی ہم ہمیں کیا کام
 تم ان کے وعدے کا ذکر ان سے کیوں کرو غائب
 یہ کیا ہے کہ تم کہو، اور وہ کہیں کہ یاد نہیں

۱۰۶

تیرے نوسن کو صبا باندھتے ہیں
 آہ کا کس نے اڑ دیکھا ہے
 تیری فرصت کے مقابل اے عمر
 قیدِ ہستی سے رہائی معلوم
 نشہ رنگ سے ہر واسطہ گل
 غلطی دے مضاہین مرستہ بوجھ

ہم بھی مضمون کی ہوا باندھتے ہیں
 ہم بھی اک اپنی سہا باندھتے ہیں
 برق کو پار جفا باندھتے ہیں
 اشک کو بے سرو پا باندھتے ہیں
 مست کب بند قیاب باندھتے ہیں
 لوگ نالے کو رسا باندھتے ہیں

سب کہاں؟ کچھ لالہ و گل میں نہایاں ہو گئیں
 خاک میں کیا صورتیں ہو گئی کہ نہاں ہو گئیں !
 یاد تھیں ہم کو بھی رنگارنگ بزم آرائیاں
 لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نیساں ہو گئیں
 محبتیں بناتے تھے گرد و من کو چسے میں نہاں
 شب کو ان کے جی میں کیا آئی کہ عریاں ہو گئیں
 قید میں یعقوبؑ نے لی گوئیہ سٹ کی خبر
 لیکن آنکھیں روزِ دیوارِ زنداں ہو گئیں
 سب قبول سے ہوں ناخوش، پر زمانِ مصر سے
 ہے زلیخا خوش کہ محوِ ماہِ کنساں ہو گئیں
 جوئے خوں آنکھوں سے بہنے دو کہ ہر شامِ فراق
 ہیں یہ بھول گا کہ شمعیں دو فروزاں ہو گئیں
 ان پر سیا زادوں سے لیں گے غلامی ہم انتقام
 قدرتِ حق سے یہی حدیں اگر واں ہو گئیں
 نیندا سکی ہے، داغ اس کا ہے، راتیں اس کی ہیں

تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں
 میں چین میں کیا گیا گویا دستاں کھل گیا
 بیلین سُنکر مے ملے غزل خواں ہو گئیں
 وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا بٹل کے پاؤں
 جو مری کوتاہی قیمت سے مرگاں ہو گئیں
 بس کر سکا میں نے اُسینے میرا بھریں پے بہ پے
 میری آہیں بخیہ چاکِ گریباں ہو گئیں
 واں گیا بھی تیں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
 یاد محفیں جتنی دعائیں صرفِ مریاں ہو گئیں
 جاں فزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آگیا
 سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگ جاں ہو گئیں
 ہم موصد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
 ملتیں جب مٹ گئیں اجوائے ایماں ہو گئیں
 منج سے خود گرہا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
 مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

یوں ہی گرفتار ہا غالب تو اے اہل جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو قسم کہ دیہاں ہو گئیں

۱۱۰

دیوانگی سے دوش پر زنا بھی نہیں
دل کو نیا زحمت دیدار کر چکے
ملنا ترا اگر نہیں سناں تو سہل ہے
بے عشق عمر کٹ نہیں سکتی ہر دیہاں
شوریدگی کے باقدح سر پہ بلانِ دُش
گنجائشِ عداوتِ اغیار اک طرف
ڈرنا کہ ہائے زار سے میرِ خدا کو بان
دل میں ہے یار کی صفِ مزگانِ رکشی
اس سادگی پہ کون ذمہ جاکے خدا!

یعنی ہماری حب میں اک تار بھی نہیں
دیکھا تو ہم میں طاقتِ دیدار بھی نہیں
دشوار تو یہی ہے کہ دشوار بھی نہیں
طاقت بہ قدر لذتِ آزار بھی نہیں
محرم میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں
یاں دل میں ضعف ہو سناں بھی نہیں
آخر نوائے مرغِ گرفتار بھی نہیں
حالانکہ طاقتِ خلشِ خار بھی نہیں
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

دیکھا اسد کو خدات و جلوت میں بار ہا
دیوانہ گر نہیں ہے تو ہشیار بھی نہیں

۱۱۱

نہیں ہے زخم کوئی بخنے کے درخوردے تن میں

ہوا ہے تارا شکریاں رشتہ چشم سوزن میں
 ہوئی ہے مانع ذوقِ تماشا خانہ ویرانی
 کفِ سیلاب باقی ہے بزمِ جنبہ روزن میں
 ودیعت خانہ بے داد و کاوش ہائے مژگاں ہوں
 نگینِ نامِ شاہد ہے مرے ہر قطرہ خوں تن میں
 بیاں کس سے ہو ظلمت گسری میرِ شہباز کی
 شبِ مہر ہو جو رکھ دیں جنبہ یواروں کے وزن میں
 نکو شِ مانع بے ربطی شورِ سنوں آئی
 ہوا ہے خندہ احبابِ بخیہ جیبِ دامن میں
 ہوئے اُس مہروش کے جلوہ تمثال کے آگے
 پرانتاں جو ہر آئینہ میں مثلِ فرہ روزن ہیں
 نہ جانوں نیک ہوں یا بد ہوں پر صحبتِ مخالف سے
 جو گل ہوں تو ہوں گلشن میں جو خس ہوں تو گلشن میں
 ہزاروں دل دیئے جو شش جنونِ عشق نے مجھ کو
 سیہ ہو کر سویدا ہو گیا ہر قطرہ خوں تن میں

اسد زندانی تاثیر الفت ٹٹے خراباں ہوں
خیم دست نوازش ہو گیا ہے طوق گردن میں

۱۱۲

منے جہانگ اپنی نظریں خاک نہیں سوائے خون جگر سو جگر میں خاک نہیں
مگر غبار ہوئے پر ہوا اڑا لے جائے : دگر نہ تاب توں بال پر میں خاک نہیں
یکس بہشت شمائل کی آمد آند ہے؟ کہ غیر جلوہ گل رہ گزریں خاک نہیں
جہلا سے نہ بھی اکچھ بھی کو جسم آتا اثر مرے نفس بیاثر میں خاک نہیں
خیال جلوہ گل سے خراب ہیں میکش شراب خانہ کے دیوار و دریں خاک نہیں
ہوا تہوں عشق کی غارت گری شمرند سوائے حریت تعمیر گھر میں خاک نہیں

ہمارے شعر میں اب صفت دل لگی کے اسد
کھلا کہ فائدہ عرض منہ میں خاک نہیں

۱۱۳

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت اور دھیرے آئے کیوں؟
روئیں گے ہم ہزار بار کوئی ہمیں ستلے کیوں؟
دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستان نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم، غیر ہمیں اٹھائے کیوں؟

جب وہ جمالِ دل فروزا صورتِ مہرِ نیم روز
 آپ ہی ہو نقلِ راہِ موت پر دمے میں منہ پھیلے کیوں؟
 دشتِ غمزدہ جاں ستاں، ناوکِ ناز بے پناہ
 تیرا ہی عکسِ رخِ سہی، سامنے تیرے آئے کیوں؟
 قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
 موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پاتے کیوں؟
 حُسن اور اس پر حُسنِ ظن، رہ گئی بولہوس کی شرم
 اپنے پر اہم تھا ہے غیر کو آزمائے کیوں؟
 واں وہ غرورِ مستِ زمانہ، یاں عجاظِ بسِ وضع
 راہ میں ہم ملیں کہاں؟ بزم میں دو بکلائے کیوں؟
 ہاں وہ نہیں خدا پرست، حادوہ بے وفا سہی
 جس کو ہوں دین و دل عزیز، اسکی نگلی میں جائے کیوں؟
 غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں
 رویے زار زار کیا؟ کچھئے ہائے کیوں؟

بوسے کو پوچھتا ہوں میں منہ سے مجھے بتا کہ یوں
 پرسش طرزِ دلبری کیجئے کیا کہ بن کہے
 اسکے ہر اک اشارے سے نکلے ہے یہ ادا کہ یوں
 رات کے وقت سے پیے ساتھ قیاب کو لئے
 آنے وہ یاں خدا کرے پر نہ کرے خدا کہ یوں
 "غیر سے رات کیا بنی" یہ جو کہا تو دیکھئے
 سامنے آن بیٹھتا، اور یہ دیکھت کھریوں
 بزم میں اُس کے روبرو کیوں نہ غموش بیٹھے
 اُس کی تو خاموشی میں بھی ہے یہی مدعا کہ یوں
 میں نے کہا کہ "بزمِ ناز چاہئے غیر سے جنم"
 سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اُٹھا دیا کہ یوں
 مجھ سے کہا جو بار نے "جاتے ہیں ہوش کس طرح"
 دیکھ کے میری بے خودی چلنے لگی مہر کہ یوں
 کب مجھے کوئے یار میں ہونے کی وضع پادبختی
 آئندہ دار بن گئی حیرتِ نقشِ پا کہ یوں !
 گردے دل میں ہو خیال، کھل میں شوقِ کافال

موجِ محیطِ آبِ ہیں بارے ہر دستِ و پا کہ یوں
جو یہ کہے کہ ریختہ کیوں کہ ہر شکِ نارسی
گفتہ غالب ایک بار پڑھ کے اُسے بنا کیوں

و

۱۱۵

سدا سے دلِ گداز ہے گرم تماشا ہو کہ چشمِ ننگ شاید کثرتِ نظارہ سدا ہو
ہر قدرِ حسرتِ دل چاہئے ذوقِ ماضی بھی جہڑوں یک گوشہ دامنِ اگر یہ نٹیا ہو
اگر وہ سرودِ قدِ گرمِ خسرا مِ نانا آجائے
کفِ ہر خاکِ گلشنِ شکرِ مٹسری نالہ زما ہو

۱۱۶

کیسے ہیں جا رہا تو نہ دو طعنہ کیا کہیں مجھ کو لاہ بولوں حقِ صحبتِ اہلِ بیست کو؟
طاقت میں تپنے سے جاگیں کی لالک دُرخ میں ڈال نہ کوئی لیکرِ بیست کو
ہوں سُخون نہ کیوں وہ دریمِ ثواب کے بیڑا حالِ گناہ ہے قلمِ سرِ نوشت کو
آئی اگر بلا تو جگر سے نکلی نہیں ایسا ہی ہے کہ ہم نے بچایا ہر کشت کو
غالب کچھ اپنی سحر سے لہنا نہیں مجھے
خرمن جلے اگر نہ بلخ کھائے کشت کو

وارثتہ اس سے ہیں کہ محبت ہی کیوں ہو
 چھوڑا نہ مجھ میں صنعتِ نچرنگِ اعتدا کا
 ہے مجھ کو تجھ سے تذکرہ غیر کا گلہ
 پیدا ہوئی ہو کہتے ہیں سرورِ دل کی وا
 ڈال نہ بیکسی نے کسی سے معاملہ
 ہے آدمی بجائے خود اک محشرِ خیال
 سنگام نہ بلوئی ہمت ہے انفعال
 وارثتگی بہاد نہ بگا لگی نہیں
 مستانہ فوت فرصت ہستی کا غم کوئی
 اُس فتنہ مخکے در سے اب اٹھتے نہیں اسد
 اس میں بہا سے سر پر قیامت ہی کیوں ہو

نفس میں ہوں اگر اچھا بھی نہ جانیں میرے شیون کو
 مرا ہونا بڑا کیا ہے نواسخِ بانِ گلشن کو
 نہیں گر بہد ہی آساں ہو یہ رشک کیا کم ہے؟

نہ دی ہوتی خدایا آزمودنے دوست دشمن کو
 نہ نکلا آنکھ سے تیری ایک آنسو، اُس جراحِ ت پر
 کیا سینے میں جس نے غزں چکاں مڑ گان ہونان کو
 خدا شرانے ہامقوں کو کہ رکھتے ہیں کشاکش میں
 کبھی میرے گریباں کو کبھی جاناں کے دامن کو
 ابھی ہم قتل گ کا دیکھنا آساں سمجھتے ہیں
 نہیں دیکھا شناد جوئے غزں میں تیرے گون کو
 ہوا چوہا جو میرے پاؤں کی بجھیرنے کا
 کیا بقیاب کاں میں جنبش جوہر نے آہن کو
 خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
 سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برقِ خرمین کو
 مفاداری بشرطِ استواری اصل ایماں ہے
 مرے بُتِ خاد میں، تو کعبہ میں گائے و بدھن کو
 شہادتِ محنتی مری قسمت میں جو دی محنتی یہ خرچہ کہ
 جہاں تلووار کو دیکھا، تجھ کا دیتا محنتِ گردن کو
 نہ لکنا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا؟

رہا کھٹکا نہ چوری کا دُعا دیتا ہوں رہزن کو
 سخن کیا کہ تجیس سکتے کہ جویاں ہوں جو اسہر کے
 جگہ کیا ہم نہیں رکھتے کہ کھو دیں جا کے معدن کو
 مرے شاہ سلیمان جاہ سے نسبت نہیں غالب
 فریدون و جم و کھسرو و داراب و بہمن کو

۱۱۹

دھواؤں حب میں پیئے کو اس سیم تن کے پاؤ
 دمی سا دگی سے جان پڑوں کو کن کے پاؤ
 بھگے تھکے بہت اسو اسی کی منزل سے یہ
 مریم کی تجو میں بھرا ہوں جو قدر و قدر
 اللہ سے ذوق و شہت لڑوی کی لہر لگ
 ہے جو شہ گئی ہادیہاں تک کہ ہر طرف
 شب کو کسی کے خواب میں یا نہ ہو کہیں
 لکھتے ہیں آج امن و بیت نازک کن کے پاؤ

غالب مرے کلام میں کیوں کہ مزا نہ ہو
 پیتا ہوں دھوکے خسرو شیریں سخن کے پاؤ

۱۲۰

واں اُس کو ہولِ دل ہے تو راں میں ہولِ شرار
 یعنی یہ میری آہ کی تاخیر سے نہ ہو
 اپنے کو دیکھتا نہیں ذوقِ ستم کو دیکھ
 اہی نہ تاکہ دیدہ پچیر سے نہ ہو

۱۲۱

واں ہنچکر بخش آتے ہیں ہم ہے ہم کو
 دل کو نہیں اور مجھے دل مجھو نہ رکھتا ہے
 صفتِ نقشِ پے مر ہے طوقِ گردن
 جان کر کیجے قنائل کہ کچھ امید بھی ہو
 رفکِ ہم طری و دریا اثرِ بانگِ خیز
 سرِ اُٹانے کے جو دم بے کو گنہ چاہا
 دل کے خوں کے لے لی کیا وجہ؟ لیکن ناچا
 تم وہ نازک کو خوشی کر فغاں کہتے ہو
 صدہ آہنگِ نیل میں قدم ہے ہم کو
 کس قدر ذوقِ گرفتاری ہم ہے ہم کو
 تیرے کو چہ سے کہاں طاقتِ تم ہے ہم کو
 یہ نگاہِ غلطِ انداز تو ستم ہے ہم کو
 نالہ مرغِ سحرِ تیغِ دودم ہے ہم کو
 منہس کے بولے کہ ترے سر کی قسم ہے ہم کو
 پاس بے رونقِ دیدہ اہم ہے ہم کو
 ہم وہ عاجز کہ تنائل بھی ستم ہے ہم کو

قَطْع

لکھنؤ آنے کا باعث نہیں کھتا یعنی ہوس سیر و تماشا سودہ کم ہے ہم کو
 مقطع سلسلہ شوق نہیں ہے یشر عزم سیرِ نجف و طوتِ حرم ہے ہم کو
 لئے جاتی ہے کہیں ایک توقع غالب
 جاوہ روکشش کا لبِ کرم ہے ہم کو

۱۲۲

تم جانو تم کو فیہ جو رسم و راہ ہو
 مجھ کو بھی پوچھتے رہو تو کیا گناہ ہو
 بچتے نہیں مواخذۂ روزِ حشر سے
 قاتل اگر رقیب ہے تو غم گواہ ہو
 کیا وہ بھی بے گتہ کنن حق ناشناس ہیں
 ناما کہ تم بشر نہیں خود شید و ماہ ہو
 ابھرا برِ انقلاب میں سناکے ایک تار
 مڑتا ہوں میں کیہ نہ کسی کی نگاہ ہو
 جب میکہ چھٹا تو مچراپ کیا جگہ کی قید
 مسجد ہوا درسم ہوا کوئی خانقاہ ہو
 سنتے ہیں جو بہشت کی تفریقِ دست
 لیکن خدا کرے وہ تر احبلوہ گا ہو

غالب بھی گرد ہو تو کچھ ایسا ضرر نہیں

دینا ہو یارب! اور مرا بادشاہ ہو

۱۲۳

گئی وہ بات کہ ہو گھنگو تو کیوں کر ہو
 ہے سچ نہ ہوا پھر کہو تو کیوں کر ہو

ہمارے ذہن میں اس فکر کا ہے ناخصل
 ادب ہے اور یہی کشمکش تو کیا کیجے
 تمہیں کہو کہ گزارہ صنم پرستوں کا
 الجھتے ہو تم اگر دیکھتے ہو آئینہ
 جسے نصیب ہو روزِ سیاہ میرا
 ہمیں پھر پرتِ اُمید اور انہیں ہماری قدر
 غلط و متساہیں خط پر گماں تسلی کا
 بیاچار میں مڑو کہ دیکھ کہ ہو مجھ کو قرار
 کہ گزرتا ہو تو کہاں جانیں ہو تو کیوں کہ ہو
 جیسا ہے اور یہی گونگو تو کیوں کہ ہو
 بتوں کی ہوا گزرتی ہی خود تو کیوں کہ ہو
 جو تم سے شہر میں ہوں ایک تو کیوں کہ ہو
 وہ شخص دن نہ کہے رات کو تو کیوں کہ ہو
 ہماری بات ہی پھینچ رہے تو کیوں کہ ہو
 زمانے دیدہ و دیدار جو تو کیوں کہ ہو
 یہ نیش ہو رگ جاں میں فرو تو کیوں کہ ہو

مجھے جنوں نہیں غالب ملے بہ قولِ حضور

”فراقِ یار میں تسکین ہو تو کیوں کہ ہو؟“

۱۲۴

کسی کو دے کے دل کوئی تو اسخِ فنان کیوں ہو؟

نہ ہو جب دل ہی قینے میں تو پھر منہ میں نہ باں کیوں ہو؟

وہ اپنی خود چھوڑیں گے، اہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں؟

نیک سوزن کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو؟

کیا غمخوار نے رسوا لگے، بس بخت کو

دلاوے تاب جو غم کی وہ میرا مازداں کیوں ہو؟
 وفا کیسی؟ کہاں کا مشق؟ جب سر بھوڑنا ٹھہرا
 تو پھرے نکل تیر ہی شگبستاں کیوں ہو؟
 قفس میں مجھ سے روادیچمن کہتے نہ ڈر دم
 گری ہے جس پہ کل بھل وہ میرا آشییاں کیوں ہو؟
 یہ کہہ سکتے ہو؟ ہم دل میں نہیں ہیں "پرے تبار"
 کہ جب دل میں تمہیں تم ہو تو آنکھوں میں نہاں کیوں ہو؟
 غلط ہے جذب دل کا شکوہ، دیکھو جو دم کس کا ہے
 کھینچو گرم اپنے کو کش و دیاں کیوں ہو؟
 یہ فتہ آدمی کی خانہ دیرانی کو کیا کم ہے؟
 ہونے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟
 یہی ہے آزمائش تو ستانا کس کو کہتے ہیں؟
 مدد کے ہونے جب تم، تو میرا امتحان کیوں ہو؟
 کہا تم نے کہ "کیوں ہو غیر کے ملنے میں رموائی"؟
 بجا کہتے ہو، سچ کہتے ہو، پھر کہینو کہ "ہاں کیوں ہو؟"

نکالا جانتا ہے کام کیا طعنوں سے تو غالب
تو بے ہر کہنے سے وہ تجھ پہ ہر ماں کیوں ہو

۱۲۵

ہیئے اب ایسی جگہ مل کر جہاں کوئی نہ ہو ہم سخن کوئی نہ ہو اور ہم نہ بلی کوئی نہ ہو
بے رودیوار سا بگ گھر بنایا چاہئے کوئی ہمایہ نہ ہو اور نہ پاسبان کوئی نہ ہو
پڑیے گردِ بمبار تو کوئی نہ ہو تمسارِ خار
اور اگر مر جائے تو زحہ خواں کوئی نہ ہو

۵

۱۲۶

از مہر تابہ ذرہ، دلِ مول ہے آئندہ
طوطی کرشنج جہتِ مقابل ہے آئندہ

۱۲۷

ہے سبزہ زارِ ہرودیدوارِ غم کدہ جس کی بہاریہ ہو چپڑا کی خزاں پوچھ
ناچار بے کسی کی بھی حسرتِ ثنائیے دشوارِ بنی رہ و سبتم مہرِ ماں پوچھ

سی

۱۲۸

صد جلوہ نمود بر دہے جو شرکال اٹھائیے طاقت کہاں کر دیکھا احساں اٹھائیے
 ہے رنگ پر براتِ معاشِ جنوں عشق یعنی ہنوز منتِ طفلان اٹھائیے !
 دیوارِ بارِ منتِ مزدور سے ہر خم اے خانانِ خوابِ احساں اٹھائیے
 یا میرے زخمِ رشک کو دھوانہ کھئے
 یا پردہٴ تبسم پہاں اٹھائیے !

۱۲۹

مسجد کے زیرِ سایہ خوابات چاہیئے بھڑل پاس آنکھ قبلہٴ مناجات چاہیئے
 عاشق ہوئے ہیں آپ بھی اک شخصِ بے آخر ستم کی کچھ تو مکانات چاہیئے
 دے دالے فلکِ اعلیٰ حسرت پر کی ہاں کچھ نہ کچھ تلافیٰ ماناں چاہیئے
 سیکے ہیں مردِ غول کیلئے ہم مصوری تقریب کچھ تو بہرِ ملاقات چاہیئے
 تھے سے عرضِ تشاؤ ہے کس نے دیا ہکڑ اک گونہ بے خودی بھٹن سا چاہیئے
 ہے رنگِ لالہ و گل و نسیرِ صبا عبدل ہر رنگ میں بہار کا اثبات چاہیئے

ق

ہر پائے نغمہ چاہیئے ہنگام بے خودی دوسوئے قبلہٴ وقتِ مناجات چاہیئے

یعنی چب گردش پیمائے صفات عارف ہمیشہ مست نے ذات چاہئے
نشوونما ہے اہل سے غالب فروغ کو
خاموشی ہی سے نکلے ہے جرات چاہئے

۱۲۰

بسا محزون تھا اکٹل یک قطرہ خون بھی سوہنہ تاج باندیا یکیدین سرنگوں وہ بھی
ہے اس شوخ سے آرزو ہم چند کلف سے تکلف بطل تھا ایک انداز جنوں وہ بھی
خیال مرگ کتبہ نکلیں دل آرزو کو بجھے مرے دلیم تمنا میں ہے ایک حیدر لولہ بھی
دکڑا کا شکار مجھ کو کیا سلوہم تھا دم؟ کہ ہوگا باعش افزائش سرور و دل بھی
داتا گمشدہ تیغ جفا پر ناز فرماؤ مرے ریاے بتانی میں ہے ایک مسخ خون بھی
نئے مشت کی فراہم راتی گردن کیا کیجے لئے بیٹھا ہے اک دچد جامہ داڑیوں وہ بھی

مرے دل میں ہے غالب شوقِ دل و شکوہ ہجر اں
مداہ دین کرے جو اس سے میں یہ بھی کہوں وہ بھی

۱۲۱

ہے ریم بتاں میں سخن آرزو لبوں سے تنگائے میں ہم ایسے خوشام طلبوں سے
ہے ویر توح و جبر پریشانی صہبا یک باد لگا دو خیمے میرے لبوں سے
مندانِ حد سے کہہ اگر ستارے میں زاہد زہار نہ ہونا طوطاں بے ادبوں سے

بے داد و فادہ کیا کر چاتی رہی آخر ہر چند مری جان کو تھا رابطہ لبوں سے

۱۳۶

تا ہم کو شکایت کی بھی باقی نہ ہے جا سن لیتے ہیں گو ذکر ہمما نہیں کرتے
 غالب تراحوال سنا دینگے ہم اُن کو
 وہ سن کے بلا لیں، یہ اجارا نہیں کرتے

۱۳۷

گھر میں تھا کیا کر تراغم اُسے فارت کرتا
 وہ جو رکھتے تھے ہم ایک حسرت تعمیر ہوئے

۱۳۸

غم دنیا سے گر پانی بھی فرصت سر مٹھانے کی
 کھلے گا کس طرح مضمون کے مکتوب کا یارب!
 پستنا پر نیاں میں مٹھلا آتش کا آساں ہے
 انہیں منظور ہے زخمیوں کا دیکھنا آہٹا
 ہماری سادگی حتی التغاتِ ناز پر مرنا
 لکڑے کو بے حراوٹ کا شعلہ نہ نہیں سکتی
 کہوں کیا غریب و بیمار جانے نہاں غالب
 فلک کا دیکھنا اتقریب تیرے یاد آنے کی
 قسم کھانی ہر اُس کا فتنے کا فتنے کے جلانے کی
 دے مشکل ہے حکمت دل میں غم چھپانے کی
 اٹھے تھے سیر گل کو، دیکھنا شرفی بہانے کی
 ترا آنا نہ تھا ظالم مگر تہجد جانے کی
 مری طاقت کہ ضامن تھی تیرے ہر اٹھانے کی
 بری کی اُس نے جس کی غمی ہم بارہا شکی

۱۳۵

حاصل ہے ہاتھ دھو بیٹھائے آرزو خدای
دل جو خیش گریں میں ہے ڈوبی ہوئی اسی
اس شمع کی طرح ہے جس کو کئی بجھا دے
میں بھی جلے تھوڑی میں تھوڑی باغِ ناکامی

۱۳۶

کیا تنگ ہم تہم زدگاں کا جہان ہے !
جس میں کہ ایک بیضہ سمورا سماں ہے
ہے کائنات کو حرکت تیرے فوق سے
پر تو سے آفتاب کے فترے میں جان ہے
حالاں کہ ہے یہ سیلی خدا سے لارہ تنگ
فاضل کو میرے شیشے پرے کا گمان ہے
کلی ہاس نے گرم سینہ اہل جوس میں جا
آدھے نہ کیوں پسند کہ ٹھنڈا مکان ہے
کیا خوب تم نے خیر کو بوسہ نہیں دیا !
بس چپ ہو ہمارے بھی نہیں بان ہے
بیشمار ہے جو کہ سایہ دیوارِ یار میں
فرمانِ روانے کشورِ ہندوستان ہے
ہستی کا اعتبار بھی نسیم نے مٹا دیا
کس سے کہوں کہ داغِ مگر کا نشان ہے

ہے بارے اعتماد و نفاذاری اس قدر

غالب ہم اس میں غرض ہیں کہ ناہریان ہے

۱۳۷

درد سے میرے ہے تجھ کو بے قرار ہی ہائے
کیا ہوئی ظالم تری منت و شادی ہائے
تیرے دل میں گرنے تھا آشوبِ فہم کا حوصلہ
تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے

کیوں مری ٹھوگر کی کاسجہ کو آیا تھا خیال
 عمر سیر کا تہ نے پیمانِ وفا باندھا کر آیا
 زہم لگتی ہے مجھے آبِ ہوائے زندگی
 گلِ نشانی اسے بازِ جلوہ کو کیا ہو گیا
 شرمِ رسوائی سے بیاچھپنا نقابِ خاک میں
 خاک میں ناموسِ پیمانِ محبت مل گئی
 ہاتھ ہی تیغِ آذما کا کام سے جاتا رہا
 کس طرح کٹے کوئی شب ہستے تارِ خنکال
 گوشِ مجبورِ پیامِ وحشیمِ محمدِ جمال
 عشق نے کھڑا نہ تھا غالب ابھی الفت کانگ
 رہ گیا تھا دل میں جو کچھ ذوقِ حجازی اسنے پاک

حشرِ تکی میں عالمِ ہستی سے یاس ہے
 لیتا تہیں مرے دلی آوارہ کی خبر
 یکجہ بیانِ سرورِ تپِ غم کہاں تک
 ہے وہ مزوِ حسن سے بیگانہ وفا
 تسکین کو دے نوید کہ مرنے کی آس ہے
 اب تک وہ جانتے کہ میرے ہی پاس ہے
 ہر ٹھوکرے بدن پہ زبانِ سپاس ہے
 ہر چند اس کے پاس دل ہی شناس ہے

پی جس قدر طے شب ہتاب میں خرواؔ اس بلغمی مزاج کو گرمی ہی راس ہے
ہر اک مکان کو ہے مکین سے شرف اسد
مجنول جو مر گیا ہے تو جنگل اداس ہے

۱۳۹

گر خاشی سے نائدہ افتخائے مال ہے خوش ہوں کہ میری بات سمجھنی محال ہے
کس کو سناؤں حسرتِ تلہار کا گلہؔ دل فر جمیع دھج زیاں لٹے لال ہے
کس پر ہے سب آئندہ پر عا دل سے غلاؔ رحمت کہ عذر خواہ لب بے سوال ہے
ہے ہے خدا نخواستہ وہ اور دشمنیؔ اے شوقِ منفصل یہ تجھے کیا خیال ہے
مشکیں لباسِ کعبہ علی کے قدم سے جاناؔ نافِ زیں ہے دکہ نافِ غزال ہے
دشت پر میری عرصہ آفاق تنگ بختاؔ دریا زیں کو عرقِ انفصال ہے
ہستی کے مت فریب میں آجا نیر اسد
عالم تمام حلقہٴ دام خیال ہے

۱۴۰

تم اپنے ہلکے سے کی باتیں کھو دکھو کر پھوؔ حذر کے درے دل سے کہ میں لگ رہی ہے
ولا یہ درد و الم بھی تو مستقیم ہے کساؔ دگر یہ سحری ہے نہ اہ نیم شبی ہے

۱۴۱

ایک مخلوق دنیا کا اتحاد بھی مٹ گیا ظاہر کا فخر سے خط کا غلط ہزار ہے
 جی جیسے ذوقِ فنا کی نامی پڑ گیا ہم نہیں جیتے نفس پر چند آتشِ بار ہے
 آگِ پانی میں بجھتے وقتِ تھمتی ہے صدا ہر کوئی دریا رنگ میں نالے سے ناپا ہے
 ہے وہی پرستی ہر فرقہ کا خود مدد خواہ جیسے جیسے عزائم تباہ سماں مرثیہ ہے
 مجھ سے مت کہہ تو ہمیں کہتا تھا اپنی ننگی زندگی سے مر جی ابنِ دونوں یزید ہے
 اکھڑ کی تصویر سر نامہ پہ کھینچی ہے کہ تا تجھ پر کھل جاکے کہ اسکو مرثیہ ہے

پینس میں گزرتے ہیں جو کہ چسے وہ میرے
 کندھا بھی کہا رول کو بدلنے نہیں دیتے

۱۴۲

مری ہستی فضائے حیرتِ آباد تھا جسے کہتے ہیں نادر وہ اسی عالم کا منقار
 خزاں کیا بفصل گل کہتے ہیں کس کو کوئی محکم وہی ہم ہیں قفسِ اور نامِ بالِ پر کا ہے
 دوائے دلِ الی ہے اتفاقی در نہ اسے ہمد اثرِ فریادِ دل اپنے عزیمت کا کس دیکھا ہے
 نہ لائے شوخی اندیشہ تباہیِ نوحِ زمیدی کتبِ انوس ملنا ہر تہیدِ بد تمنا ہے

۱۴۳

رحمِ کرم کا عالم اگر کیا بود چراغِ کشتہ ہے نبضِ بیار و ناد و بد چراغِ کشتہ ہے

دل لگی کی آرزو بے چین رکھتی ہو ہیں ورنہ یاں بے رونقی سودِ چراغِ گشتہ ہے

۱۲۵

چشمِ خوابِ خامشی میں بھی نوا پڑا رہے سرور تو کہو سے کہ دُورِ شعلہ آواز ہے
پیکرِ عشاق، سازِ طالعِ ناسا ہے نالہ گویا گردِ ششِ تیارہ کی آواز ہے
دستِ گاہِ دیدہٴ خوبسارِ محبتوں دیکھنا

میک بیا باں جلوہٴ گلِ فرجِ پا اغانا ہے

۱۲۶

عشقِ بھوکہ نہیں دشت ہی ہے میری دشت تری شہرت ہی ہے
قطع کیجئے نہ تعلق ہم سے کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی ہے
میرے ہونے میں ہے کیا روائی؟ اے وہ مجلسِ نہیں غنوت ہی ہے
ہم بھی دشمن تو نہیں ہیں اپنے غیر کو کچھ سے محبت ہی ہے
اپنی ہستی ہی ہے جو جو کچھ ہو آگہی گر نہیں مغفلت ہی ہے
عمرِ حیا کہ ہے برقی خزام دل کے خوں کر فکی فرصت ہی ہے
ہم کوئی دکھِ فنا کرتے ہیں؟ نہ سہی عشقِ مصیبت ہی ہے
کچھ تو دے اے فلکِ انصاف! آہ و فریاد کی رخصت ہی ہے
ہم میں تسلیم کی خورِ ڈالیں گے بے نیازی تری عداوت ہی ہے

یار سے پھیٹ چلی جائے اسد
گر نہیں وصل تو حسرت ہی کبھی

۱۴۷

ہے آرمیدگی میں نکو ہوش بجا ہے صبح دامن ہے خندہ دنیاں نہا ہے
ڈھونڈے ہے اس مکتھی آتش نغمی کو جی جس کی صدا ہو جلوہ برقی فنا ہے
مستانہ طے کروں ہوں و وادئی خیال تاباؤ گشتِ زمیں سے مدعا ہے
کرتا ہے بس کہ باغ میں تیرے بجایاں آنے لگی ہے محبت گل سجایا ہے
کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ
شعروں کے انتخاب نے دوا کیا ہے

۱۴۸

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غائب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا کہتے تھے

۱۴۹

اُس بزم میں مجھے نہیں جیتی حیا کیئے بیٹھا رہا اگر چہ اشارے ہوا کیئے
دل ہی تو ہے یارِ سب دریاں کو غور گیا میں ، اور جاذبِ ذکر تھے بن صدائے
دکھتا پھروں ہوں غرق و بجاؤں میں نے ملت ہوئی ہے دعوتِ آپ ہوا کیئے

بے صرف ہی گزرتی ہے ہوگرچہ محض حضرت میں کل کہیں گے کہ ہم کیا کیا کئے؟
 مقدر ہو تو خاک پر چوں کراؤ لیم؟ تو نے وہ گنج ہائے گمانیہ کیا کئے؟
 کس روز جہتیں نہ ترا شکلیں مٹو؟ کس دن ہمارے سر نہ اُسے چلائیے؟
 صحبت میں غیر کی نہ پڑی ہو کہیں تو دینے لگا ہے بسے بغیر التجا کئے؟
 ضد کی ہے ادویات مگر تو بری نہیں مہوئے سراسر سینکڑوں وعدے نہ کئے؟
 غالب ہمیں کہو کہ ملے گا جواب کیا؟
 مانا کہ تم کہا کئے اور وہ سنا کئے؟

۱۵۰

رفتارِ عمر قطع و ا منطرا ہے، اس سال کے حساب کو برقِ آفتاب ہے،
 مٹائے مے ہے سروِ قنارِ بہار ہے، بالِ تندرہ مبلوہ موجِ شراب ہے،
 زخمی پہنچے پاشنہ پلٹے ثبات کا، نے بھاگنے کی گون آتامت کی تاب ہے،
 بادِ بادِ بادہ لہ شمشیرِ زلفِ شش جہت، غافل کہاں کرے ہر کہ گیتی خراب ہے،
 نظارہ کیا حلیت ہو اس برقِ حسن کا، جوشِ بہار جلوے کو جسکے نقاب ہے،
 میں نامرادِ دل کی تسلی کو کیا کروں، مانا کہ تیرے رخ سے نگر کا میا ہے،

گزرا تدمرِ مسرتِ پیغامِ یاسے
 قاصد پہ مجھ کو رشکِ سوالِ وجاہ ہے،

دیکھنا قیمت کو آپ اپنے پر شک آجائے ہے
 میں اُسے دیکھوں، بھلا کب مجھ سے دیکھا جائے ہے
 ہاتھ وصول سے ہی گرمی گرا نڈیٹے میں ہے
 اُگیٹہ تنہائی مہربا سے پگھلا جائے ہے
 غیر کو یار ب! وہ کیونکر منع گستاخی کرے
 گر جیسا بھی اُس کو آتی ہے تو شرما جائے ہے
 شوق کرے لت کہ ہر دم نالہ کیلئے جائے
 دل کی وہ حالت کہ دم لینے سے گھبرا جائے ہے
 دُور چشم بداحری بزمِ طرب سے واہ واہ
 نغمہ ہو جاتا ہے ہاں گر نالہ میرا جائے ہے
 گرچہ طردِ تغافل پر دُور دایرہ سازِ عشق
 پر ہم ایسے کھلے جاتے ہیں کہ وہ پا جائے ہے
 اُس کی بزمِ آماں سُنکر دلی رنجوریاں
 مثلِ نقشِ مدعا نے غیر بیٹھا جائے ہے
 ہو کے عاشق وہ پری سُرخ اور تازک بن گیا
 رنگ کھتا جائے ہے جتنا کہ اڑتا جائے ہے

نقش کو اس کے مصوٰر پہ بھی کیا ناز ہیں
 کھینچتا ہے جس قدر اتنا ہی کھینچتا جائے ہے
 سایہ میرا تجھ سے مثل دُودھ بھاگے ہے اسد
 پاس تجھ آتش بجاں کے کس سے ٹھہرا جائے ہے!

۱۵۲

گرم فریاد رکھا شکل نہالی نے مجھے تب ماں جھپیں دی بڑی لالی نے مجھے
 نسید و نقدِ دو عالم کی حقیقت معلوم! لے لیا تجھ سے مری ہمتِ عالی نے مجھے
 کثرتِ آرائی و صدف ہے پرستاریِ ہم کر دیا کافرانِ صنایعِ خیالی نے مجھے
 ہوسِ گل کا تصور میں بھی کھٹکانہ رہا عجب آرام دیا بے پردہ بالی نے مجھے

۱۵۳

کارِ گاہِ ہستی میں لالہ داغِ سماں ہے برقِ خرمینِ رحمتِ خونِ گرم و قتل ہے
 غنچہِ تاغِ غنقِ ہارِ بگِ مافیتِ معلوم بادِ دردِ محسوسِ خوابِ گل پریشاں ہے
 ہم سے سرخ بے تابی کس طرح اٹھایا جائے
 داغِ پشتِ دستِ محض، شعلہٴ خنِ دندان ہے

۱۵۴

اگ رہا ہے دردِ دیوار سے سبزہِ قالب
ہم بیاباں میں ہیں اور گھر میں بہار آئی ہے

۱۵۵

سادگی پر اس کی مرجھانے کی ضرورت ہے
دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
گرچہ ہے کس کس برائی سے لے لے لے لے لے
بس جو ہم نامیدی تنگ ہیں لہجے کی
ریخ رہ کیوں کھینچنے؟ دامانگی بخش ہے
جلوہ زارِ آتشِ دوزخ ہمارا دل بھی
بس نہیں چلتا کہ پھر خیر کفِ قاتل میں ہے
نہیں نے یہ جانا کہ گریا یہ بھی کھول میں ہے
ذکر میرا مجھ سے بہتر ہے کہ اس محفل میں ہے
یہ جو اک لذت ہماری سچی حاصل میں ہے
اٹھ نہیں سکتا ہمارا ہر قدم منزل میں ہے
فتنہ شہید قیامت کس کی آبِ دل میں ہے

ہے دلِ شہیدۂِ قالبِ طلمیج و تاب
رہم کہ اپنی تنہا پر کہ کس مشکل میں ہے

۱۵۶

دل سے تری نگاہ جگرتک اتر گئی
شق ہو گیا ہے سینہ، غرضِ لذتِ فراغ
دو ذوق کو اک ادا میں منامند کر گئی
تکلیفِ پردہ داری زخمِ جگر گئی
وہ بادۂ شہادۂ کی سرستیاں کہاں
اٹھنے بس اب کہ لذتِ خوابِ بحر گئی

لڑتی پھرے ہے خاک مری کئے یا دیں بسے اب لے ہوا ہوس بال و پیر گئی
 دیکھو تو دل فریبی اندازِ نقش پا موجِ خزاں باد بھی کیا گل کتر گئی
 ہر بلوہوس نے حسن پرستی شعار کی اب ابروئے شیوہ اہل نظر گئی
 نکلائے نے بھی کام کیا واں نقاب کا مستی سے ہر نہ کہ ترے رخ پر کجبر گئی
 فرداودی کا تفرقہ یک بار مٹ گیا کل تم گئے کہ ہم پر قیامت گزر گئی
 ماما زمانے نے اسدا لشخاں تمہیں
 وہ دل لے کہاں، وہ جوانی کدھر گئی؟

۱۵۷

شکلیں کہ ہم نہ روئیں جو ذوقِ نظر لے خود ان خلد میں تری صورت گر لے
 اپنی گلی میں مجھ کو نہ کر دمن بعدِ قتل میرے پتے سے غلق کو کیوں تیرا لے
 ساقی گری کی شرم کو آج ورنہ ہم ہر شب پیاسی کہ لے جس تجھ قد لے
 تجھ سے کچھ کلام نہیں لیکن نے تو ہم میرا سلام کہو اگر نامہ برس لے
 تم کو بھی ہم دکھائیں کہ جہنم کی کیا لیا فرصت کشاکش غم پہناں سے گر لے
 لازم نہیں کہ حضر کی ہم پیروی کریں جانا کہ اک بزرگ ہیں ہم سفر لے
 اے ساکنانِ کو حہ دلدار دیکھنا
 تم کو کہیں جو غالب آشفقہ سر لے

۱۵۸

کوئی دن گر زندگانی اور ہے اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے
 آتشِ دوزخ میں یہ گرمی کہاں؟ سوزِ غم ہائے نہانی اور ہے
 بارِ ہادیجی ہیں ان کی بخشش پر کھاب کے سرگدانی اور ہے
 دے کے خطِ مٹہ دیکھتا ہے نامِ بر کچھ تو پیغامِ زبانی اور ہے
 قاطعِ اہلِ ہمار ہیں اکثرِ نجوم وہ بلائے آسمانی اور ہے
 ہو چکیں غالبِ بلائیں سب تمام
 ایک مرگِ ناگہانی اور ہے

۱۵۹

کوئی اتید رہ نہیں آتی کوئی صورتِ نظر نہیں آتی
 موت کا ایک دن معین ہے غین کیوں رات بھر نہیں آتی
 لگے آتی صحنِ حالِ لپٹہ ہنسی اب کسی بات پر نہیں آتی
 جانتا ہوں ثوابِ طاعتِ مزید پر طبیعتِ ادھر نہیں آتی
 ہے کچھ ایسی ہی بات جو چپٹوں دردِ کیا بات کر نہیں آتی
 کیوں نہ چنچن کر یاد کرتے ہیں مہمہ ہی آوازِ گر نہیں آتی
 طرحِ دل گر ٹھہر نہیں آتا بوجھ ہی اے چارہ گر نہیں آتی

ہم وہاں ہیں جہاں سے ہم کبھی کچھ ہماری خیر نہیں آتی
 مرتے ہیں آرزو میں مرنے کی موت آتی ہے پر نہیں آتی
 کیسے کس منہ سے جاؤ گے غالب ؟
 مشرم تم کو مگنہ نہیں آتی !

۱۶۰

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے ؟ آخر اس درد کی ہوا کیا ہے ؟
 ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الہی یہ ماحبر کیا ہے ؟
 میں بھی منہ میں بلبل نکستا ہوں کاش پوچھو کہ نہ کیا ہے ؟
 جب کہ تجھ میں نہیں کوئی موجود ہے پھر یہ ہنگامے خدا کیا ہے ؟
 یہ پر سی چہرہ لوگ کیسے ہیں ؟ غمزہ و عشوہ واد کیا ہے ؟
 شکن زلفِ منبری کیوں ہے ؟ نگہ چشمِ سرمہ سا کیا ہے ؟
 سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں ؟ ابر کیا چیز ہے ہوا کیا ہے ؟
 ہم کو آن سے وفا کی ہے امید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے ؟
 ہاں جہلا کر ترا جہلا ہوگا اور دردِ دلش کی صدا کیا ہے ؟
 جانِ تم پر نثار کر رہا ہوں میں نہیں مانا کہ کچھ نہیں غالب
 مکت ہاتھ آئے تو بڑا کیا ہے ؟

کہتے تو ہر دم سب کر بت غالبیہ
کچھ کہہ نہ میں ہاں جذبِ محبت
اک مرتبہ گھبرا کے کہو کوئی کہہ آئے
آتا ہی مجھ میں مری آتا نہیں اگر آئے
ہاں سنتے مگر بلاۂ دوشین کی بڑ آئے
ہم کچھ ہوئے ہیں جسے جس میں آئے
دیکھا کہ وہ بلتا نہیں اپنے ہی کھو آئے
اس درد پر نہیں بار تو کہے ہی کہ ہو آئے
اچھے ہے آپ میں مگر مجھ کو ڈر آئے
اُس انجمنِ ناز کی کیا بات ہے غالب
ہم بھی گئے حال اور تری تقدیر کو رو آئے

پھر کچھ پاک دل کہ بقراری ہے
پھر بگر کھودنے لگا ناخن
سینہ جو یا شے زخمِ کاری ہے
قبلہ مقصدِ نگاہِ نیا ز
آید نفسِ لالہ کاری ہے
چشمِ دلالِ جنسِ رسوائی
پھر وہی پردہِ عماری ہے
دل خریدارِ ذوقِ خماری ہے

دم ہی صد رنگ نالہ فرسانی دم ہی صد گونہ اٹکباری ہے
 دل ہوائے خرام ناز سے پھر محشرستان بیقرار ہی ہے
 جلوہ پھر عرض ناز کرتا ہے روضہ بازارِ جاں سپاری ہے
 پھر اسی بے وفا پر مرتے ہیں چھوڑ ہی زندگی مہاری ہے
 پھر کھلا ہے حدِ عدالتِ ناز ق گرم بازارِ فوج داری ہے
 ہورہا ہے جہان میں اندھیر زلفت کی پھر سرشتہ داری ہے
 پھر دیا پارہ حبیگہ نے حموال ایک فریادِ آہ زار ہی ہے
 پھر پوئے ہیں گواہِ عشقِ طلب اشک باری کا حکم جاری ہے
 دل دھڑکاں کا جو مقدمہ تھا آج پھر اس کی رو بیکاری ہے
 بے خودی بے سبب نہیں غالب
 کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

۱۶۲

جنوںِ تہمت کشِ تمکینِ مہرِ شادمانی کی نمکِ شِرخِ خدا شِریں ہے لذتِ ننگانی کی
 کشاکشِ ثانیِ مستی سے کرے کیا سعیِ آزادی ہوئی زنجیرِ میجِ آبِ کدِ نصرتِ دانی کی
 پس ازِ نردبانِ بھیڑیاءِ زیارتِ گاہِ طفلانِ شرارِ رنگِ نئے تربتِ پیری گلِ نشانی کی

۱۶۴

نکویش ہے سزا فرمادی بیدار و طبر کی مبادا خندہ و نذر ناسا ہونے عشر کی
 رگ لیلی کو خاکِ شستِ مجنوںِ رشکِ غنچه اگر بوسے بجائے اندم مقامِ ناکِ شتر کی
 پر پرواز شاید یاد بانِ کشتی نئے تھا ہونی مجلس کی گرمی روانی دورِ سفر کی
 کروں بے وار فوق پر فغانی عرض کیا آفتاب کہ طاقتِ آفرینی اٹلے سے پہلے میرے شہر کی
 کہاں تک دوں اُسکے خمیے کے چھپے قیامت سے
 مری قسمت میں یا رب کیا بھٹی دیوارِ پتھر کی

۱۶۵

بے اعتدالیوں کی بیک سب میں ہم چھوئے جتنے زیادہ ہو گئے اتنے ہی کم ہوئے
 پنہاں تھا دامِ سختِ قریبِ آشیان کے اٹلے نہ پلے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے
 ہستی ہمازی اپنی فنا پر کوسیل ہے یاں تک میں کہ آپ ہی اپنی قسم ہوئے
 سختی کشانِ مشق کی پچھے ہے کیا خبر وہ لوگ فتر رفتہ سرا پا الم ہوئے
 تیری دفا سے کیا ہو تلافی کہ دہریں تیرے سوا بھی ہم پر بہت ستم ہوئے
 لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ نرں چکاں ہر چند اس میں ہاتھ مہارِ قلم ہوئے
 اندر ہی تیری تندہی تو جس کے ہم سے اجڑائے نالِ دل میں مگر رزقِ ہم ہوئے
 اہل ہوس کی فتح ہے ترکِ نبردِ مشق جو پاؤں اٹھ گئے دی اُن کے علم ہوئے

تلمے دم میں چند ہمارے سپرد تھے جو ان کچھ کے سودہ یاں کے دم ہوئے
 چوڑی السد نہ ہم نے گرائی میں دل لگی
 سائل ہوئے تو عاشق اہلِ کرم ہوئے

۱۶۶

جو نقدِ دل کی کہے شعلہ پاسبانی تو ضرور کی نہاں ہے بے یابی
 تجھے اس سے کیا توقع ہے پر زمانہ جوانی کہیں کو دکھ میں جس نے نہ سنی مری کہانی
 یونہیں دکھ کسی کو دنیا میں غیب ڈھکتا کہ مرے عود کو یارب بٹے میری زندگانی

۱۶۷

ظلمت کہ ہے میں سیرِ شبِ نیم کا جو ہے ایک شمع ہے دلیلِ بحرِ سونو نوش ہے
 نے مژدہ وصال نہ نظارہ ہمال تبت ہوئی کہ آشتی چشمِ دگوش ہے
 نے کیا ہے حسنِ خود آرا کو بے حجاب اے شوق یاں اجازتِ تسلیم دہش ہے
 گوہر کو مقدرِ گردنِ غول میں نہ کیسنا کیا معجز پرستارہ گوہرِ فروش ہے
 دیدارِ یادہ جو وصلِ ساقی نگاہت بزمِ خیال سے کفِ بے خودش ہے

قطع

اے تازہ طرارِ لبِ لعلِ ہوائے دل بہ زہار اگر تمہیں ہو ترناؤ نوش ہے
 دیکھو مجھے جو دیدارِ مہرِ نگاہ ہو میری سنو جو گوشِ حقیقتِ نوش ہے

ساتی چبلوہ دشمنِ ایران و آگہی مطربِ پندہ زنِ تمکینِ ہوش ہے
 یا شب کو دیکھتے تھے کہ ہرگز نہ بساط طمانِ باغبانِ وکبتِ گلِ فروش ہے
 نعلتِ حرامِ ساتی دذوقِ صدائے چنگ بیعتِ نگاہِ وہ فردوسِ گوش ہے
 یا صبح دم جو دیکھئے آکر تو بیم میں نے وہ سرور و شور و خوشِ فروش ہے
 داغِ فراقِ صحبتِ شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی ہے سود بھی خوش ہے

آتے ہیں عینکے یہ مضامین خیال میں

غالب مریدِ غلامِ لڑے فروش ہے

نہ ہوئی گر مرے مرنے سے تسلی نہ ہوئی امتحاں اور بھی باقی ہو تو یہ بھی نہ ہوئی
 غارِ خایا لہجہ حسرتِ دیدار تو ہے شوقِ گلچینِ گلستانِ تسلی نہ ہوئی
 نئے پرستانِ نجمِ نئے منہ سے لگائے ہی بنے لیکن نگر نہ ہوا بزمِ میں ساتی نہ ہوئی
 نفسِ قیس کہ ہے چشمِ دچراغِ صحرا گر نہیں شمعِ سیفِ خانہٴ علی نہ ہوئی
 ایک ہنگامے پہ موقوف ہر گھر کی دوق نورِ غم ہی ہوئی نغمہٴ شادی نہ ہوئی
 نہ تائش کی تائش نہ مسلے کی پوا گر نہیں میں مرے اشار میں معنی نہ ہوئی

مشریتِ صحبتِ غرباں ہی فہمیتِ کج

دہائیِ غالب اگر عمرِ طبعی دس ہو

محب نشا طے جلاو کے چلے ہیں آگے کہنے سے سر پاؤں پر ہے دو قدم آگے
 قضا نے تھامے چاہا خواب بارہ انت فقط خواب نکلا بس چل کا قلم آگے
 غم زمانے جھاڑی نشا و عشق کی سستی دگر نہ ہم بھی اٹھاتے تھے لذتِ لہو آگے
 مذا کے واسطے داد اس جنونِ شوق کی دُعا کہ اس کے در پر پہنچے ہیں مار بے ہم آگے
 یہ عمر صبر جو پریشانیں اٹھاتی ہیں ہم نے تھا سہا تو لے طرہ انے غم بہ غم آگے
 دل جب گریں پریشانیں لکھ لکھتے خوش ہم اپنے زعم میں سمجھتے تھے سکودم آگے
 قسم جنانے پر آنے کی میرے کھاتے ہیں غالب
 ہمیشہ کھاتے تھے جو میری جان کی قسم آگے

۱۷۰

شکوے کو نام سے بے مہر خفا ہوتا ہے یہ بھی مت کہہ کہ جو کہنے تو گلا ہوتا ہے
 پر توں میں شکوے کو توں راگ سے جیسے بابا اک ذرا چھٹے چھٹے کیا ہوتا ہے
 گو سمجھتا نہیں پر حسنِ تلافی دیکھو شکوہ جو سے سرگرم جفا ہوتا ہے
 عشق کی راہ میں ہے چرخ کو کب کی پال سست ہو جیسے کوئی آبلہ پا ہوتا ہے
 کیوں نہ ٹھہریں ہر بناؤ کب بیداو کہ ہم آپ اٹھلاتے ہیں اگر خطِ خطا ہوتا ہے
 غروب تھا پہلے سے ہو تہہ برسم اپنے درواہ کہ جھلا جاتے ہیں اور ٹلا ہوتا ہے
 نالہ جاتا تھا پرے عرش سے میرا ادب لب تک آتا ہے جو یہاں رہا ہوتا ہے

تقطع

خامد میرا کہ وہ ہے باریدِ زرخن شاہ کی مدح میں لوحِ نغمہ سل ہوتا ہے
 اے ہنشاہ کو اکب سپہ دہرِ مسلم تیرے اکرام کا حق کس سے ادا ہوتا ہے
 سات تسلیم کا حاصل جو فرامیہ تجھے تو وہ لشکر کا ترے فعل بہا ہوتا ہے
 ہر مہینے میں جو یہ بدست ہوتا ہے ہلال آستانہ ترے مناصبہ سا ہوتا ہے
 میں جو گستاخ ہوں میں غزل خوانی میں یہ بھی تیرا ہی کہم فوقِ فرا ہوتا ہے
 رکھیو غالب مجھے اس تلخ نوائی میں ممان
 آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے

۱۷۱

ہر اک بات پہ کہتے ہو تم کہ "تو کیسا ہے" تمہیں کہو کہ اندازِ گفتگو کیا ہے؟
 دشمنی میں یہ کرشمہ نہ برق میں یہ ادا کوئی بتاؤ کہ وہ شوخِ تندو کیا ہے؟
 یہ رشک ہو کہ وہ ہوتا ہے ہم سخنِ تم سے دگر نہ خوفِ بد آموزی صدف کیا ہے؟
 چمک رہا ہے بدن پہلو سے سبزین ہماری جیب کو اب حاجتِ نذر کیا ہے؟
 جلا ہے جسم چپاں، دل بھی جل گیا ہو گا کر دیتے ہو جواب اٹھ جتو کیا ہے؟
 رگوں میں دڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل جب تکم ہی سے دھڑکا تو میرا کیا ہے؟
 وہ چیز جس کیلئے ہم کہہ ہوشتِ عزیز سولے بارہ کلفام و مشکبو کیا ہے؟

پیوں شراب اگر خم بھی دیکھ لوں دھپا
یہ شیشہ و قدح و گوزہ و سپو کیا ہے؟
رہی طاقب گفتار اور اگر مہ بھی
تو کس امید پہ کہنے کا اردو کیا ہے؟
مٹا ہے شہ کا مصاحب پھر ہے اتراتا
وگرہ شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے؟

۱۶۲

نیں انہیں چھیڑوں اور کچھ ذکریں
چل نکلتے جوئے پئے ہوتے
تہر ہویا بلا ہوا جو کچھ ہو
کاشکے تمہارے لئے ہوتے
میری قیمت میں غم گرا سنا تھا
دل بھی یارب کبھی دیئے ہوتے
آہی جاتا وہ راہ پر غالب
کوئی دن اور بھی جیسے ہوتے

۱۶۳

اگر مری جان کو قرار نہیں ہے
طاقت بے داد و انتظار نہیں ہے
دیتے ہیں جنت حیات دہر کے بے
نشہ بہ اندازہ خسار نہیں ہے
گریہ نکالے ہر تری رزم سے فحجہ کو
ہائے کر رونے پر اختیار نہیں ہے
ہم ہمیشہ، گمانِ بخش خاطر
خاک میں عشاق کی عیار نہیں ہے
دل پر آٹھا طبع جلو ہائے معافی
غیر گل آئینہ بہار نہیں ہے

قتل کا سرے عہد تو کیا ہے بارے دلے اگر عہد استوار نہیں ہے
تو نے قسم سے کشی کی کھائی ہے غالب
تیری قسم کا کچھ اعتبار نہیں ہے

۱۶۵

بھوم غم سے یاں تاک سنگونی بچہ کو مائل کتا بردار من ہمار نظر میں قی مشکل ہے
رفو نے زخم سے مطلب لگے زخم خون کا بھی موت کہاں سے دیوانہ غالب ہے
وہ نکل جس گلستان میں ملوہ فرمائی غالب
چکنا غنچہ دل کا مدائے خندہ دل ہے

۱۶۶

پاہ دامن ہو رہا ہوں بسک میں محاورہ خاریا ہیں جو ہر آئینہ زانوئے مجھے
دیکھنا حالت کردل کی ہم آفرینی کے بعد ہے نگاہ آشنا تیرا سر ہر منہ مجھے
ہوں سراپا ساز آہنگِ شکست کچھ نہ پوچھ ہے یہی بہتر کروگوں میں چھیر تو مجھے

۱۶۷

جس ریم میں تو تار سے گفتا رہیں آوے جاں کا لہجہ صورت یار میں آوے
خانے کی طرح ساتھ پھریں مغرب و منور تو اس قدر بکھل ہو گئے زاریں آوے
تب تا نگاہاں باہمی اشک بجائے جب نخت جگر زیدہ تو تار میں آوے

دے مجھ کو شکایت کی اہوازت کہ تم کو
 اس چشمِ فہموں کے کا اگر پائے اشارہ
 کچھ تجھ کو مزاج بھی مرے آثار میں آدے
 طوطی کی طرح آئینہ گفتار میں آدے
 کانٹوں کی زبانوں کو کھ گئی پیاس کا
 اک بلہ پادادھی پر خار میں آدے
 مرہا دل کیوں شکستے جب تر تازک
 آغوشِ خمِ ملتے ناز میں آدے
 نارت گئے ناموس نہ ہو کہ ہوسِ زہر
 کیوں شاہِ گل باغِ ہزار میں آدے
 تب چاکِ گریباں کا مزہ ہے دلِ نالاں
 جب اک نفس الجھا ہوا تار میں آدے
 آتشِ کدہ ہے سینہ مرا زہاں سے
 اے نائے اگر معرضِ ظہار میں آدے
 گنجینہٴ معنی کا ظلم اس کو سمجھنے
 جو لفظ کہ غالب مرے اشار میں آدے

حسنِ مرگہ چہ ہنگام کمال اچھا ہے
 بوسہ دیتے نہیں اور دل ہے ہر لحظہ نگاہ
 اس سے میرا میرا خورشیدِ جمال اچھا ہے
 جی میں کہتے ہیں کہ رفت گئے تو مال اچھا ہے
 سارے جسم سے مر اجماعِ سفال اچھا ہے
 سارے جسم سے مر اجماعِ سفال اچھا ہے
 وہ گدا جس کو نہ ہو خورے سوال اچھا ہے
 وہ گدا جس کو نہ ہو خورے سوال اچھا ہے
 وہ بچتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
 وہ بچتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے
 ایک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے
 ایک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

ہم سخنِ منہ سے فرما دو شیریں سے کیا بطرحِ کاہجی کی ہیں ہو کمال اچھا ہے
 قطرہ دریا میں جو مل جائے تو دریا ہو جا کام اچھا ہے وہ جس کا کہ نال اچھا ہے
 خضرِ سلطان کو رکھے خالقِ کبر سر سبز شاہ کے باغ میں یہ تازہ نہال اچھا ہے
 ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
 دل کے خوش رکھنے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

۱۷۹

غیر لیں عقل میں بسے جام کے ہم ہیں یوں تشنہ لب پیغام کے
 خشکی کا تم سے کیا شکوہ کہ یہ ہمت کندھے ہیں چرخ نیلی نام کے
 خط لکھیں گے گرچہ مطلب کچھ نہ ہو ہم تو عاشق ہیں تمہارے نام کے
 مات پی زمرہ پر غم اور صبح دم دھوئے وجہ تے جامہ حرام کے
 دل کو آنکھوں نے چھنایا کیا مگر یہ بھی حلقے ہیں تمہارے دام کے
 شہ کی ہے فیلِ محبت کی خبر دیکھتے دن کب پھریں حمام کے
 مشق نے غالب نکٹا کر دیا

دردِ ہم بھی آدمی تھے کام کے

۱۸۰

پھر کس اترا نہ سے بہار آئی کہ تھوئے مہر و مدتِ اشائی

دیکھو اے ساکنانِ خطہ پاک اسکو کہتے ہیں منالم آرائی
 کہ زمیں ہو گئی ہے سرتاسر روکشِ سطحِ چرخِ مینائی
 سبزے کو جب کہیں جگہ نہ ملی بن گیا روئے آب پر کائی
 سبزہ و گل کے دیکھنے کھیلنے چشمِ درگس کو دی ہے مینائی
 ہے ہما میں شراب کی تاثیر بادہ نوشی ہے بادِ مینائی
 کیوں نہ دنیا کو ہر خوشی غالب
 شاہِ دیندار نے شفا پائی

۱۸۱

تنافسِ دوست ہوں میرا دلیٰ معجزِ عالی ہے
 اگر پہلو تھی کیجے، تو جا میری بھی عالی ہے
 رہا آباد عالمِ اہلِ محنت کے نہ ہونے سے
 بھرے ہیں جس قدر جامِ دیو میناۂ خالی ہے

۱۸۲

کب وہ سنتا ہے کہانی میری؟ اور پھر وہ بھی زبانِ میری
 غلشِ غمِ سبزہ خوریز نہ پوچھو دیکھ خوں نایہ فشانِ میری
 کیا بیاں کر کے مرا روئیں گے یار! مگر آشفستہ بیاں میری

ہوں زخود و فتنہ بیدائشِ خیال بھول جانا ہر نشانیِ میری !
 متقابل ہے مقابلِ میرا رنگ گیا۔ دیکھ بھائی میری
 قدرِ سنگِ سبزہ رکھتا ہوں سخت ازناں ہر گرانی میری
 گردِ بادِ روئے تابانی ہوں سرِ سرِ شوق ہے بانی میری
 دہن اس کا جو نہ معلوم تھا کھل گئی اسچ بھائی میری
 کر دیا صنم نے عاجزِ غالب !

تنگ پیری ہر جوانی میری

۱۸۲

نقشِ نازِ بیتِ لٹا زبیرِ افروزِ قریب پائے ملاؤں پئے خامہ بانی مانگے
 تو وہ بدحوکہ تھیں کہ تماشا جانے غم وہ افسانہ کاشفتہ بانی مانگے
 وہ تپِ عشقِ تمنا ہے کہ پیرِ صورتِ شمع
 شعلہ تا نبضِ حیرِ ریشہ دوانی مانگے

۱۸۳

گمشدہ کو تری محبتِ ازل کی پسندانی ہے ہنسنے کا نکل ہوا آغوشِ کشتانی ہے
 واں کنگرِ استغنا ہر دم ہے بلندی پر یاں نالے کو اور اٹھا دھولے رسائی ہے
 انہیں کہ سکھاتا ہر غمِ ضبط کا انداز جودِ غ نظر آیا ایک چشمِ مائی ہے

جس رنم کی ہو سکتی ہو تیرا سیر و فک
 لکھ دیکھو یا سب اسے قسمت میں مدد کی
 اچھا ہے سرگشتِ خانی کا تصور
 دل میں نظر آتی تو ہے کب برونہ ہو کی
 کیوں ٹھٹھے ہو شاق کی بے ہوگی ہے؟
 یاں تو کوئی سنتا نہیں فریادِ کسو کی
 دشنے نے کسی مزد لگایا ہو جگر کو
 خنجر نے کسی بات نہ پوچھی ہو گلو کی
 صد حیف! وہ ناکام کہ اک مرتے غالب
 حسرت میں ہے ایک بتِ عربہ جو کی

۱۸۶

سیمابِ پشتِ گرمی آئینہ دے ہے ہم
 حیران کئے ہوئے ہیں دل بے قرار کے
 انوشِ گل کشودہ برائے وداع ہے
 اے مندیب! چل کہ چلے دن بہار کے

۱۸۷

ہے وصلِ حیر و المِ تمکین و منبٹ میں
 معشوقِ شمع و عاشقِ دیوار چاہیے
 اس لیے بل ہی جائیگا بوسہ کسی تو ہاں
 شوقِ فنون و جراتِ رندان چاہیے!

۱۸۸

چاہنے اچھوں کو جتنا چاہئے یہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہئے
 صحبت رنزاں کو واجب ہے، مذر مائے سے اپنے کو کھینچا چاہئے
 چاہنے کو تیرے کیا سمجھا تھا دل؟ بائے اباس سے بھی مجھا چاہئے
 چاک مت کہ جب بے ایام گل کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہئے
 دوستی کا پردہ ہے بیگانگی منہ چھپانا ہم سے چھوٹا چاہئے
 دشمنی نے میسری کھو یا غیر کو کس قدر دشمن ہے دیکھا چاہئے
 اپنی رسوائی میں کیا چلتی ہے سہی یار ہی منگامہ آرا چاہئے
 منحصر مرنے پر ہو جس کی امید ناہمیدی اس کی دیکھا چاہئے
 غافل ان مردہ طلعتوں کے واسطے چاہنے والا بھی اچھا چاہئے

چاہتے ہیں خوب رویوں کو اسد
 آپ کی صورت تو دیکھا چاہئے

۱۸۹

ہر قدم دوری منزل ہے نمایاں تجھ سے میری رفتار سے بھاگے ہو یا باں تجھ سے
 درس لمنوان تماشا۔ یہ نفاذ خوشتر بے نگہ رشتہ شیرازہ مژگاں مجھ سے
 وحشت آتش دل سے شبہ نہانی میں صورت دور ہا سایہ گریزاں مجھ سے

غمِ عشاق نہ چوسا دلی آموزیتاں کس قدر فائدہ آئینہ ہے دیراں مجھ سے
 اثرِ آبلہ سے جادہ سحرِ سنجوں صورتِ رشتہ گوہر ہے چرخاں مجھ سے
 بے خودی بسترِ تہیہ بد فرخت ہو جو پر ہے سائے کی طرح میرا اشتاں مجھ سے
 شوقِ دیدار میں گر نہ مجھے گردن مار ہونگے مثلِ گلِ شمع پریشاں مجھ سے
 بے کسی ہائے شبِ بھر کی خستہ ہے سایہ غرضِ قیامت میں پہنچاں مجھ سے
 گردشِ سانسِ صلبوہ رنگیں تجھ سے آئینہ داریٰ یک دیدہ حیراں مجھ سے
 نگہِ گرم سے اک آگ ٹپکتی ہے اسد
 ہے چراغاں خس و خاشاکِ گستاں مجھ سے

۱۹۰

نکتہ میں ہے غمِ دل اس کو ملے نہ بنے
 کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے
 میں بلانا تو ہوں اس کو مگر لے جذبہِ دل
 اُس پر بن جانے کچھ ایسی کہ بن آئے نہ بنے
 کہیں بجا ہے کہیں چوڑا دے اُبھول نہ جا
 کاش یوں ہی ہو کہ بن میرے ملے نہ بنے
 غیرِ مجھ سے لے یوں ترے خط کو کہ اگر

کوئی پہچھے کر یہ کیلے تو پھیلے نہ بنے
 اس نزاکت کا ہڑا ہو، وہ بھلے میں تو کیا
 ہاتھ آنیں تو انہیں ہاتھ لگائے نہ بنے
 کہہ سکے کون کہ یہ جہلوہ گری کس کی ہے
 پردہ چھوڑا ہے وہ اس لہکے اٹھائے نہ بنے
 موت کی راہ نہ دیکھوں کہ بن آئے نہ بنے
 ختم کو چاہوں کہ نہ آؤ تو بلائے نہ بنے
 بوجہ دہ سر سے گرا ہے کہ اٹھائے نہ اٹھے
 کام دہ آن پڑا ہے کہ بنائے نہ بنے
 عشق پر زور نہیں، ہے یہ وہ آتش غالب
 کہ لگائے نہ لگے اور نہ بجائے نہ بنے

۱۹۱

چاکل خراش اگر دشت، عزائی کرے
 جیلوے کا تیرہ، عالم ہے کہ گئے خیال
 دیدہ دل کو زیارت گاؤں جیسلمانی کرے
 ہے کہ تن سے مجنوں نوید یا کہ بتامک
 صبح کے مانند زخم دل گر سبانی کرے
 منے شیشہ دیدہ ساقی کی عزائی کرے
 سے کہہ کہ چشم مست ناندہ سے پنے وقت

خطِ عارض سے لکھا زلف کو اُفتِ ہمد یکدم منکوب ہے جو کچھ پریشانی کرے

۱۹۲

وہ اکے خواب میں تسکین اضطراب توڑے دلے مجھے پیشِ دل مجالِ خواب توڑے
کرے ہے قتلِ لکھوٹ میں حیرا رو دیتا تری طرح کوئی تیغِ نگاہ کو آب توڑے
دیکھا کچھ بخش لب ہی تمام کریم کو ندے جو پورے تو منہ ہی کہیں جلاب توڑے
پلاسے اوکے ساتی جو ہم کفر تھے، پیالہ گر نہیں دیتا ندے شراب توڑے

اسدِ خوشی سے مرے ہاتھ پاؤں مچھل گئے

کہا جو اس نے ذرا میرے پاؤں خواب توڑے

۱۹۳

تپش سے میری دھتِ کشش ہر تارِ بستر ہے ملا سرِ بچِ بالیں ہے موافقِ بادِ بستر ہے
سرِ شگِ سر پہ محرابِ ادانہ نورِ العینِ دہن ہے دل بے درست پافتاوہ بر خورِ غارِ بستر ہے
خوشا اقبالِ رنجِ ری عیادت کو تم آئے ہو فروغِ شمعِ مالِ طالع بیدارِ بستر ہے
یہ مٹوفاں گاہِ جویشِ اضطرابِ شامِ تنہائی شجاعِ آفتابِ صبحِ محشر تارِ بستر ہے
ابھی آتی ہے بوبالش جو کئی لبِ شگیں کی ہماری دید کو خوابِ زلیخا غارِ بستر ہے

کہوں کیا حال کی کیا مالت ہے ہجرِ یاد میں غالب

کہ بے تابی سے ہر اک تارِ بستر غارِ بستر ہے

۱۹۶

خطر ہے رشتہ الفت رگ گردن نہ ہو جائے
 عز و برد و دستی آفت ہے، تو دشمن نہ ہو جائے
 سمجھ کس فصل میں کو باہنی نشو و نما غالب
 اگر غل سرود کے قامت پر پیرا من نہ ہو جائے

۱۹۵

فریاد کی کوئی کئی نہیں ہے نالہ پامبد تے نہیں ہے
 کیوں بوتے ہیں باغیاں تھنے گر بلا گدائے سے نہیں ہے
 ہر چند ہر ایک شے میں تھنے پر تجھ سی تو کوئی شے نہیں ہے
 ہاں کھائی موت فریب ہستی ہر چہ کہیں کہ ہے "نہیں ہے"
 شادی سے گزر کہ غم نہ ہو کہ اردی جو نہ ہو تو دے نہیں ہے
 کیوں دودن کرے ہے زاہد سے ہے یگلے کی تھی نہیں ہے

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالب
 آخر تو کیا ہے؟ اے نہیں ہے"

۱۹۶

نہ پوچھ نسخہ مرہم جراحت دل کا کہ اس میں ریزہ الماس جزو اعظم ہے

بہت دنوں میں تعامل نہ تھے یہ یاد کیا وہ اک نگہ کر بظاہر نگاہ سے کم ہے

۱۹۷

ہم شک کو اپنے بھی گوارہ نہیں کرتے مرتے میں ملے ان کی تمنا نہیں کرتے
درپردہ انہیں خبر ہے ہے ربط نہانی ظاہر کا یہ پردہ ہے کہ پردہ انہیں کرتے

یہ باعث نومیدی ابابہ ہوس ہے

غالب کو برا کہتے ہوا چھا نہیں کرتے

۱۹۸

کسے ہے باد تم سے کہے کر نگہ فروغ حظِ پیالہ سراسر نگاہِ گلچیں ہے
کبھی تو اس دل شوریہ کی کبھی فلاں کے ایک عمر سے حسرت پرست بائیں ہے
بجائے گریہ سننے نالہ ہائے بے قرار کہ گوشِ گلِ غمِ شبنم سے پنبہ آگیاں ہے

اسد ہے نزع میں چلے جوتا برائے تشدد

مقاہم ترکِ حجاب و دواعِ تمکین ہے

۱۹۹

کیونہ ہوشم بتاں تجھ نفاں کیونہ ہوئے یعنی اس میرا کہ نظام سے جو پر میر ہے
مرتے مرنے دیکھنے کی آرزو رہ جائیگی دوائے ناکامی کہ اس کا در کا خیر تیر ہے

عارضِ گل دیکھ روئے یار یاد آیا اسد
جوششِ فصلِ بہاری اشتیاقِ انگیز ہے

۲۰۰

دیا ہے دل اگر اس کو بشر ہے کیا کہتے
یہ ضد کہ رنج نہ اُٹے اور نہ بن رہے
ہے ہر یوں کہ دیے کہ کئے دستِ گلاب
خبرے کر شمر کیوں دے لکھا ہے ہم کو فریب
مجھ کے کہتے ہیں بازار میں ہر پس منہاں
تمہیں منہاں ہے سرِ شستہ و نا کا خیال
انہیں سوال پر زعمِ جنوں کیوں ٹپٹے
حدِ منزل کے کمالِ سخن ہے کیا کہجے
موا رقیب تو ہونا مر رہے کیا کہتے
قصائے شکوہ ہمیں کس قدر ہے کیا کہتے
اگر نہ کہتے کہ دشمن کا گھر ہے کیا کہتے؟
کہیں کہے ہی انہیں سب خبر ہے کیا کہتے؟
کہیں کہے کہ سر رہ گزر ہے کیا کہتے
ہماتے ہاتھ میں کچھ ہے مگر ہے کیا کہتے
ہمیں جواب سے قطعِ نظر ہے کیا کہتے
سمتِ بہائے متاعِ مہر ہے کیا کہتے

کہا ہے کس نے کہ غالب برا نہیں لیکن
سوانے اس کے کا تفتہ سر ہے کیا کہتے

۲۰۱

دیکھ کر دیر پردہ گرم دامنِ فشانِ مجھے
بن گیا تیغِ نکاو یار کا رنگِ فشاں
کر گئی حابستہ تن میری خرابانی مجھے
مرحبا میں کیا ہمارے گراں سانی مجھے

کیوں نہ ہو بے اتفاقی اسکی خاطر جمع ہے
 جانتا ہے محو پرستش لئے نہانی مجھے
 میرے غم خانے کی قسمت جب رقم نہ لگی
 لکھو یا بھگت اسباب میرانی مجھے
 بلکہاں ہوتا ہے وہ کافر نہ ہوتا کاشکے
 اس قدر ذوق نوائے مرغِ بستان مجھے
 لئے اول بھی شورِ محشر نہ دم لینے دیا
 لے گیا تختا گور میں وقت تن آسانی مجھے
 وعدہ آنے کا دینا کچھ، یہ کیا انداز ہے
 تم نے کیوں سوچی ہر میر گھر کی ربانی مجھے
 ہاں نشاطِ مریض بہاری آواہوا!
 پھر ہوا ہے تازہ سودا غزل خوانی مجھے

دی مے بھائی کو حق نے از سر نو زندگی
 میرزا یوسف ہے غالب یوسف ثانی مجھے

۲۰۱

یاد ہے شادی میں بھی ہنگامہ یاد مجھے
 بھو زائد ہوا ہے خندہ زیر لب مجھے
 ہے کشادہ خاطر و ابستہ دم من سخن
 تھا طلسمِ فضل و سجد خانہ مکتب مجھے
 یارب! اس شغل کی واد کس سپامیے؟
 رشک آسائش پر ہر ذرا نیوں کی آب مجھے
 طبع ہے شائق لذت طے سحر کیا اگر
 آرزو سے ہے شکست آرزو طلب مجھے
 دل لگا کر آپ بھی غالب بھی سے ہو گئے
 عشق سے آتے تھے بالغ میرزا صاحب مجھے

۲۰۳

حصّہ شاہیں اہل سخن کی آزمائش ہے
 چمن میں خوش نواں چمن کی آزمائش ہے
 قد و گیسو میں قیس و کوہ کن کی آزمائش ہے
 جہاں ہم ہیں وہاں دار و سن کی آزمائش ہے
 کردی گئے کوہ کن کے حوصلہ کا امتحان آخر
 منور اس خستہ کے نیڑے تن کی آزمائش ہے
 نسیم مصر کو کیا پر کیناں کی مہوا خواہی
 اسے یوسف کی پونے پیر من کی آزمائش ہے
 وہ آیا بزم میں دیکھو نہ کہیتو پھر کہ غافل تھے
 شکیب و صبر اہل انجمن کی آزمائش ہے
 ہے بے بدل میں تیرا چھا، جگر کے پار ہو بہتر
 غرض شبت بہت ناوک نلکھن کی آزمائش ہے
 نہیں کچھ سمجھ و زنا کے چھندے میں گیرائی
 وفاداری میں شیخ و برہمن کی آزمائش ہے
 پڑا رہا دل و البتہ بیتابی سے کیا حاصل

مگر پھر تابِ زلفِ پرشکن کی آزمائش ہے
 رگت پہیں جیتنے ہر غرتب دیکھئے کیا ہنڈ
 ابھی تو تلخی کام و دم کی آزمائش ہے
 وہ آئیں گے مرے گھر وعدہ کیا دیکھنا غالب
 نئے فتنوں میں اب چہ کہن کی آزمائش ہے

۲۰۲

کبھی یک کی بھی اس کے جی میں گر آجائے ہے مجھ سے
 جنائیں کر کے اپنی یاد شرمائے ہے مجھ سے
 خدایا ہندو دل کی مگر تاثیر الٹی ہے
 کہ جتنا کھینچتا ہوں اور کھینچتا جائے ہے مجھ سے
 وہ بدخوا اور میری داستانِ مشقِ ملولانی
 عبارتِ مختصرِ قاصد بھی گھبرا جائے ہے مجھ سے
 ادھر وہ بدگمانی ہے، ادھر وہ ناتوانی ہے
 نہ چڑھ جائے ہے اس سے نہ بلایا جائے ہے مجھ سے
 سنبھلنے دے مجھ سے ناامیدی کیا قیامت ہے
 کہ دامنِ خیالِ یار چھوڑا جائے ہے مجھ سے

تکلف برطرف، نطفہ لگی میں بھی سہی لیکن
وہ دیکھا جائے، کب یہ ظلم دیکھا جائے ہر مجھ سے
ہوئے ہیں پاؤں ہی پہلے نبرد عشق میں زخمی
نہ بھاگا جائے ہر مجھ سے، نہ ٹھہرا جائے ہے مجھ سے
قیامت ہے کہ ہودے دُعا کا ہم سفر غالب
کا نذر خدا کو بھی نہ سونپا جائے ہے مجھ سے

۲۰۵

زبس کہ مشقِ تماشا جنوں ملاح ہے، کشادہ لبستِ مژہ سیاقِ ناز ہے
نہ جانوں کیونکہ مٹے داغِ طینِ بزمِ ہری تجھے کہ آئینہ بھی درطہ سلامت ہے
بیچ و تابِ بوسِ ملکِ عافیت تُو نگاہِ عجزِ سرشتہ سلامت ہے
وہ مقابلِ بدحوالے عشقِ بے بنیاد جنوںِ ساختہ و فصلِ گلِ قیامت ہے

۲۰۶

لاغرِ تانہوں کہ گرتے بزمِ ہینِ مادے تجھے میرا دردِ دیکھ کر کوئی بتلائے تجھے
کیا تعجب ہے کہ اُس کو دیکھ کر آجائے رحمِ ماںِ ملکِ کوئی کسی جیسے بکری بچا ہے تجھے
منہ نہ دکھلائے نہ کھلا پیرِ اندازِ مناسا کھلیکے پر ڈرا آنکھیں ہی دکھلائے تجھے

یاں تلمک میری گرفتاری وہ خوش ہے کہیں
ذلت گر بن جاؤں ترشائی میں الٹھا ہے مجھے

۲۰۷

باز کچھ اطفال ہے دنیا مرے آگے ہوتا ہے شب روز تماشا مرے آگے
اک کھیل ہے اور نگیلیاں سرزد دیک اک بات ہے احبابِ مسیحا مرے آگے
جز نام نہیں صورتِ عالم مجھے منظور جز وہ ہم نہیں مستیِ اشیا مرے آگے
ہوتا ہے نہاں گرد میں محراب مرے ہوتے گھستا ہے جس خاک پر دیا مرے آگے
مست پوچھ کر کیا حال ہے میرے پیچھے تو دیکھ کہ کیا رنگ ہے تیرے آگے
سچ کہتے ہو خود میں دھوا دار ہوں کیوں ہلکا بیٹھا ہے بُتِ اُنیسہِ سما مرے آگے
پھر دیکھئے نوازِ گلِ انشائی کنتار رکھ دے کوئی پیمانہ و صہبائے آگے
نفرت کا گلاں گز سے نہیں شک گزرا کیوں رکھوں تو نام نہاں کاہرے آگے
ایساں مجھے مدد کے ہرے کھینچے ہر مجھے کفر کبیرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے
عاشق ہوں پر مشوقِ فریبی نہ ہر کام مجھوں کو بُرا کہتی ہے دیا مرے آگے
خوش ہوتے ہیں پر چل میں کس نہ نہیں جا آئی شبِ چراں کی تماشا مرے آگے
ہے سو جہاں ایک تکرارِ محفلِ کاش می ہو آتا ہے بھی دیکھنے کیا کیا مرے آگے
گواہی میں خدش نہیں نکھوں میں دم ہے رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے

ہمیشہ دمِ مشرب دمِ ماز ہے میرا
غالب کو برا کیوں کہو اچھا مرے آگے

۲۰۸

کہوں جو حال کہتے ہو "درا کہتے
نہ کہیں طعن سے پھر تم کہ تم سنگدہیں
وہ شتر ہی پر دل میں جیتا رہتا ہے
ہمیں ذلیلہ راحت جو احتیاج کیا
جو مدعی بنے اس کے مدعی بنیے
کہیں حقیقت جاں کا ہی مرض لکھیے
کبھی شکایت رنج گراں نشیں کبھی
زہے نہ جان تو قاتل کو غول بہا دیجے
ہمیں نگار کو الفت نہ ہو نگار تو ہے
نہیں بہار کو فرصت نہ ہو بہار تو ہے

تہیں کہو کہ جو تم یوں کہو تو کیل کہیے؟
مجھے تو غیب کہ جو کچھ کہو بجا کہیے
نگاہِ ناز کو پھر کیوں نہ آشنا کہیے
وہ زخم تیغ ہے جس کو کہ دل کشا کہیے
جو ناسزا کہے اس کو نہ ناسزا کہیے
کہیں مصیبت ناسزا دوا کہیے
کہیں حکایت صبرِ گمزنہ پا کہیے
کٹے زبیاں تو خنجر کو مرجا کہیے
روانی روشِ مستی ادا کہیے
طاوت چمنِ دُخنی ہوا کہیے

سفید جب کہ کنارے پر آ لگا غالب
مذا سے کیا ستم جو رہنا خدا کہتے؟

۲۰۹

لطف سے اور عشق میں مینا پاک ہو گئے دھوئے گئے ہم تنہا کہ بس پاک ہو گئے
 صرف یہاں سے ہوئے آلا تے کشی تھے یہ ہی دو حساب سوئی لک ہو گئے
 دھوئے دھو کر مجھے آوارگی سے تم بارے طبیعتوں کے تو چالاک ہو گئے
 کہتا ہے کون نالہ لبیل کو بے اثر پردے میں گل کے لاکھ جگر چاک ہو گئے
 پیچھے ہے کیا وجود و عدم اہل شوق کا؟ آپ اپنی آگ کے خضر خاشاک ہو گئے
 کرنے گئے تھے ان سے تغافل کا ہم گلہ کی ایک ہی نگاہ کہ بس خاک ہو گئے
 اس رنگ سے اٹھانی کل اس اسد کی نقش
 دشمن بھی جس کو دیکھ کے متناک ہو گئے

۲۱۰

نشہ ہا شاو اب رنگ مساز ہا سٹ طبیب شیشے سے سرو سبز چھوئے بارغیر ہے
 ہم نشیں مت کہہ اگر برجم کر نہ بزم عیش و وال تو میرے نالے کو بھی اعتبار ہے

۲۱۱

مرض ناز و شوقی دنداں بلے خندہ ہے دھوئے جمیعت احباب جائے خندہ ہے
 ہے عدم میں منجھ محو عورت انجہاں کل یک جہاں ذلالت و تامل و تغافل خندہ ہے
 کلفت اندر کی کہ عیش بے تابی حرام دہ دنداں مردل افشردن ثابے خندہ ہے

سوزشِ باطن کے ہیں احبابِ نکور دنیا
دلِ تمیخِ گریہ لبِ آتشائے خند ہے
صنِ بے پروا خریدارِ متاعِ جلوہ ہے
آنندِ الوئے کے کیرِ اختراعِ جلوہ ہے
تاکجائے آگہی رنگِ تماشا باختن؟
چشمِ داگردیدہ آنسوِ شبنمِ اختراعِ جلوہ ہے

۲۱۲

جب تک ہاں زخمِ نہ پیدا کرے کوئی
عالمِ غبارِ وحشتِ مجنوں ہے سروسر
مشکل کہ تجھ سے راہِ سخنِ داگرے کوئی
کب تک خیالِ طرہ لیلہ کرے کوئی
ہاں فردین کے دل میں مگر جا کرے کوئی
آخر کبھی تو عقدِ دلِ داگرے کوئی
چاکِ جگر سے جب رو پر شیشِ داہوئی
لختِ جگر سے ہے رگِ بہارِ شلیخِ گل
ناکامیِ نگاہ ہے برقِ نظرِ سوز
ہر رنگِ وحشت ہے صدفِ گوشتِ شہرست
سرِ رہوئی نہ وعدہ صبرِ آزمائے عمر
ہے وحشتِ طبیعتِ ایک اداسِ خیز
بے کاریِ جنوں کر ہے بوٹینے کا شغل
جب ہاتھ لڑتے جانیں تو پھر کیا کرے کوئی

حسن فروغ شمع سخن دُور ہے اسد
پہلے دل گداختہ پیدا کرے کوئی

۲۱۳

ابن مریم ہوا کرے کوئی	میرے دکھ کی دوا کرے کوئی
شیخ و آئین پر وار سہی	ایسے قاتل کا کیا کرے کوئی
چال جیسے کڑی کہاں کا تیر	دل میں ایسے کے جا کرے کوئی
بات پرواں زبان کشتی ہے	وہ کہیں اور سنا کرے کوئی
بکے باہول جنوں میں کیا کیا کچھ	کچھ نہ بچھے خُدا کرے کوئی
نہ سنا کرے کرے کوئی	نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
روک لو گر غلط چلے کوئی	بخش دو گر خطا کرے کوئی
کون ہے جو نہیں ہے جہنم	کس کی حاجت روا کرے کوئی
کیا کیا خضر نے سکند سے؟	اب گے رہنا کرے کوئی

جب توقع ہی اٹھ گئی غالب

کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی!

۲۱۴

بہت ہی ٹم گیتی، شراب کم کیا ہے؟ غلام ساقی کو ترہوں، مجھ کو غم کیا ہے

تمہاری طرز و روش جانتے ہیں ہم کیا ہے رقیب پر ہے اگر نطف تو ستم کیا ہے
 کہتے تو شب کیس کا تھے تو سانپ کھلا کا کوئی بتاؤ کہ وہ زلفت غم بہم کیا ہے
 لکھا کہے کوئی حکام طالع مولود کہے خبر ہے کہ دان خنیش تلم کیا ہے؟
 نہ حشر و نشر کا قائل نہ کیش و ملت کا خدا کے واسطے ایسے کی پھریم کیا ہے؟
 وہ داد و دید گر اں بایہ شرط بھریم وگر نہ تھر سلیمان و جہیم کیا ہے
 سخن میں خاندہ غالب کی آتش نشانی
 یقین ہے ہم کو بھی لیکن باب اسمیں دم کیا ہے

۲۱۵

باغ پاکر خفتانی یہ ڈراتا ہے مجھے سایہ شاخ گل افنی نظر آتا ہے مجھے
 جو ہر تیغ بس حرمیہ دیگر معلوم ہوں میں وہ سبزہ کہ نہ ہر آب گاتا ہے مجھے
 مدعا نمود تماشائے شکت دل ہے آئندہ غلے میں کوئی لئے جاتا ہے مجھے
 نالہ سرمایہ یک عالم و عالم کف خاک آسماں بیضہ قمری نظر آتا ہے مجھے
 دزدگی میں تو وہ محفل سے اٹھاتے خمر دیکھوں اب مر گئے پر کون اٹھاتا ہے مجھے

۲۱۶

رونمائی ہوئی ہے کو کتبہ شہر یار کی اتر لئے کیوں خاک سیر رکھزار کی
 جب اسکے دیکھنے کیلئے آئیں بادشاہ لوگوں میں کیوں نمود نہ ہو لالہ نارس کی

محبوب کے نہیں میں سیرگشتاں کھمٹے کیوں کر دکھائیے کہ ہوا ہے بہار کی

۲۱۷

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پر دم نکلے
 بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے
 ڈبے کیوں میرا قاتل بکیا ہے گا اسکی گردن پر
 وہ خون جو چشمِ تیرے غم بھر دے وہ دم نکلے
 بکلتا خلد سے آدم کا سنتے آئے ہیں لیکن
 بہت بے آبرو ہو کر تیرے کوچے سے ہم نکلے
 مجرم مکمل جائے ظالم تیرے قامت کی درازی کا
 اگر اس طرۂ پزیرِ جیج و خم کا بیج و خم نکلے
 مگر لکھوائے کوئی اس کو خط تو ہم سے لکھوائے
 ہوئی صبح، اور گھر سے کان پر رکھ کر قلم نکلے
 ہوئی اس دور میں منسوب مجھ سے یادہ آشامی
 پھر آیا وہ زمانہ جو جہاں میں جاہمِ بزم نکلے
 ہوئی بن تھے تو قح خشکی کی داد پانے کی !
 وہ ہم سے بھی زیادہ خستہ تیغِ ستم نکلے

محبت میں نہیں ہے فرق مرنے اور جینے کا
 اسی کو دیکھ کر جیتے ہیں جس کا فریہ دم نکلے
 ذرا کر نور سینے پر کہ تیرے پستم نکلے
 جو وہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے
 خدا کے واسطے پردہ نہ کہید سے اٹھا ظالم
 کہیں ایسا نہ ہو یاں بھی رہی کافر صغم نکلے
 کہاں سے خانہ کا دروازہ تھا اور کہاں لفظ
 پراستا جلتے ہیں کل وہ جاتا تھا کہ ہم نکلے

۲۱۸

کوہ کے ہوں بار خاطر گر صدا ہو جائے
 بیضا آسانگ بلبل پر تیرے کینے تنہا
 بے تکلف سے سراپہ جیتے کیا ہو جائے
 از سر نو زندگی ہو گر رہا ہو جائے

۲۱۹

مستی یہ ذوقِ خلعتِ ساتی ہلاک ہے
 موجِ شراب یک خزانہ خوابِ ناک ہے
 جزِ بختِ تیغ ناز نہیں دل میں آرزو
 جیبِ خیال بھی تر ہاتھوں چاک ہے
 جوشِ جنوں سے کچھ نظر آتا نہیں اسد
 صہرا ہماری آنکھ میں ایک شبتِ خاک ہے

۲۲۰

لبِ بیسی کی خدیش کرتی ہے گہوارہ جنبانی
قیامت کشتہ لعلِ تباں کا خوابِ شکیں ہے

۲۲۱

آبدِ سیلاب طوفانِ صدا کے نقشِ پا جو کان میں کھنٹا ہوا لگی جادہ ہے
بزمِ وحشت کو ہر کھلی چشمِ مست کا شیشے میں خضرِ بری پہنلا ہوا ہے

۲۲۲

ہوں میں بھی تماشا شانی نیزنگِ تماشا
مطلبِ نہیں کچھ اس سگرِ مطلب ہی برائے

۲۲۳

سیاہی جیسے گر جلنے دمِ تحریر کا غز پر
مری تمہیں یوں تصویر ہو شہلے ہجران کی

۲۲۴

ہجومِ نالہِ حیرتِ ماہِ مریض کی افلاں ہے غموخی ریشہ صدفِ سیاں کھنکھرتاں ہے
مکلفِ برطوت ہو جاں تاں ترِ لطیفِ خوابِ نگاہِ عجبِ نازِ تیغِ تیزِ عریاں ہے
ہوئی یہ کثرتِ غم سے لطفِ کیفیتِ شادی کہ صبحِ حیدرِ مجھ کو بدتر از چاکِ گریاں ہے

دل دیں نقد لاسا قی ہو کر سودا کیا چاہے کس بازار میں ساغرِ معاش و گداز ہے
 علمِ اخوشِ بلا میں پردہ نشین تیا ہر عاشق کو چراغِ روشن اپنا تلامذہ صبر و کلامِ جاں ہے

۲۲۵

خیمہ یوں میں تماشا ادا نکلتی ہے نگاہِ دل سے قریٰ سرا سا نکلتی ہے
 فشارِ تنگیِ خلوت سے بنتی ہے شبنم صبا جو منہ کے پڑے میں جا نکلتی ہے
 نہ پوچھ سینہ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
 کہ زخمِ روزِ زار سے ہوا نکلتی ہے

۲۲۶

جس جانِ نسیم شاد کشِ لذتِ یار ہے ناز و دلخ آہِ مٹے دشتِ تنہا ہے
 کس کا سرِ سجِ جلو مے حیرت کو؟ اے خدا آئینہٴ فرخِ ششمن جہتِ انتظار ہے
 ہے ذرہ ذرہ تنگیِ مہاسے غبارِ شوق گردِ مہاسے دوستِ محوِ اشکار ہے
 دلِ مدحی و دیدہ بہادرِ ماسلیہ نظاری کا مقدمہ پھر رو بکار ہے
 چھڑکے ہے شبنمِ آئینہٴ برگِ گل پر آب اے عندلیبِ اذقتِ دلخِ بہار ہے
 بچی آپڑی ہے دمدہٴ دلدار کی محبہ وہ آئے یا نہ آئے یہ یاں انتظار ہے
 بے پرنِ سوئے داؤدِ محبوں گزردہ کر ہر فرسے کے نقاب میں دل بقرار ہے
 اے عندلیبِ یک کفِ خمس بہرِ آسماں طوفانِ آبدارِ فصلِ بہارِ سہماں ہے

دل متاگنوا خبر نہ ہی سیر ہی مہی اے بے دماغ اُسے متثال دار ہے
 غفلت کفیل عمر و استدضا من نشاط
 اے مرگ ناگہاں تجھے کیا انتظار ہے

۲۲۶

آئینہ کیوں نہ دول کر تماشا کہیں جسے
 حسرت نے لار کھتری بزم خیال میں
 ایسا کہاں سے لافل کر تجھ سا کہیں جسے
 گلہ مستہ بگاہ سودا کہیں جسے
 افنون انتظار تمنا کہیں جسے
 دہ ایک ٹشت خاک کر صحر کہیں جسے
 سر پہ ہجوم درد و غریبی سے ڈالے
 ہے چشم تر میں حسرت میدار سے نہاں
 شوقِ عیاں گھنٹہ دریا کہیں جسے
 صبح بہارِ پنبہ میتا کہیں جسے
 در کا بے شکفتن گلہائے عیش کو

غائب برائے مان جو واعظِ بڑا کہے
 ایسا بھی کوئی ہے کہ سب اچھا کہیں جسے

۲۲۸

شبیم بہ گل لالہ دخیلِ زادا ہے
 دل نخل شدہ کشمکشِ حسرتِ بیدار ہے
 داغِ دلی بے دردِ نظر گاہِ حیا ہے
 آئینہ بہ دستِ بیتِ برستِ عیا ہے
 جی کس قدر افسردگی دل پر جلا ہے
 شعلے سے نہ ہوتی، ہوسِ شعلہ نے جو کا

تمثال میں تیری ہے وہ شمع کی بے بدقت
 اُمید پر اندازِ گلِ آغوش کشا ہے
 قمری کعبہ خاکستر و بیلِ قفسِ ننگ
 اے نالہ نشانِ جگر سوختہ کیا ہے؟
 خونے تری افسردہ کیا درختِ دل کو
 معشوقِ دہے حوصلگی طرفِ بلا ہے
 مجبورِی وہ موائے گرفتاریِ الفت
 دستِ تیرے گدردہ میدانِ وفا ہے
 معلوم ہوا ملِ شہیدانِ گدشتہ
 تیغِ مستم اُمیدِ تصویرِ نسا ہے
 اے پر تو خورِ شہیدِ جہانِ با ایدھی
 سائے کی طرح ہم پچھیت ت پڑا ہے
 ناکر وہ گناہوں کی بھی حسرت کی بلے داد
 یارب! اگر ان کر وہ گناہوں کی سزا ہے
 بیگانگیِ مطلق سے بے دل ہو غالب!
 کوئی نہیں تیرا قمری جانِ خدا ہے

۲۲۹

منظورِ محنتی یہ شکل، تجلی کو نور کی
 قیمت کتنی ترے قدِ رخ سے ظہور کی
 ایک خوشحالِ کفن میں کروڑوںِ ثانیہیں
 پڑتی ہے آنکھ تیرے شہیدوں پر حور کی
 واعظانہ تم پوئے نہ کسی کو پلاسکو
 کیا بات ہے تمہاری شرابِ غور کی
 روتا ہے مجھ سے خوشیں تامل کر کیوں اٹھا
 گویا بھی سنی نہیں آوازِ صور کی
 آمدِ بہار کی ہے جو بکسل ہے نغمہِ سنخ
 اڑتی سی اک خبر ہے زبانی طیور کی
 گوداں نہیں پر واکِ نگاہے جو تہیں
 کہیے سے ان توں کو بھی نسبتِ دور کی

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے کیلے باب آؤ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی
 گرمی بھی کلام میں، لیکن نہ اس قدر کی جس سے آتش نے نکلیت ضرور کی
 غالب اگر سفر میں مجھے ساتھ لے چلیں
 حج کا ثواب تدر کر دوں گا حضور کی

۲۳۰

غم کھانے میں بو وادہ ناکام ہے، یہ سچ کہ کہے مے گلغام بہت ہے
 کہتے ہوئے ساتی سے حیا آتی ہے نور ہے یوں کہ تجھے درودِ بہام بہت ہے
 نے تیر کیاں میں ہے زمینا دکیں میں گوشے میں قفس کے تجھے آرام بہت ہے
 کیا نہ کو مانوں کہ نہ ہو گر چہ یانی پاؤں میں کی کمنج خام بہت ہے
 ہیں اہل ہزد کس روشن غاصق نازں پاستگی رہم و ماسام بہت ہے
 زمزم ہی پھوڑو مجھے کیا طوبیہ؟ آؤ وہ ہے جاننا آرام بہت ہے
 ہے قبر کہ اب بھی غنہ باتراں کو انکار نہیں اور مجھے آرام بہت ہے
 خوں ہو کے جگر اکھڑ چکا نہیں اے مرگ رہنے دے تجھے یا کہ بھی کام بہت ہے

ہو گا کوئی ایسا بھی کہ غالب کو نہ جانے

شاعر کو وہ اچھا ہے بہ بدنام بہت ہے

منت ہوئی ہے یار کہ جہاں کئے ہوئے
 کرنا ہوں جمع پھر جگر بخت بخت کو
 پھر وضع احتیاط سے نہ کئے لگا ہے دم
 پھر گم نامہ ملتے شرر بار ہے نفس
 پھر پستش بواجبِ دل کو چلا ہے عشق
 پھر بھر رہا ہے غامزہ مژگانِ خورشیدِ دل
 باہم دگر ہوئے ہیں دل و دید پھر قریب
 دل پھر طواف کوئے ملاحت کو جانے ہے
 پھر شوق کہ سہل ہے خریدار کی طلب
 دہلے ہے پھر ہر ایک گلِ دلاورِ خیال
 پھر چاہتا ہوں نامہ دلدار کو لونا
 مانگے ہے پھر کسی کو لبِ باہم پر بوس
 چاہے ہے پھر کسی کو مقابل میں آئندہ
 ایک تو بہارِ ناز کرتے کہ ہے پھر نگاہ
 چھری میں ہر کردار کسی کے پر کار ہیں
 جوشِ قدح سے بزمِ وفا کے ہوئے
 مرصع ہوا ہے دولتِ مژگاں کے ہوئے
 برسوں ہوئے ہیں خاک گریباں کے ہوئے
 منت ہوئی ہے سیرِ مرقع کے ہوئے
 سامانِ صدف ہزارہ منسکلاں کے ہوئے
 سایہ چمن طرازِ زمی دامان کے ہوئے
 نظارہ خیال کا سامان کے ہوئے
 پندار کا صنم کہہ دیدار کے ہوئے
 عرضِ تملِ محفلِ دلِ بیاں کے ہوئے
 مدِ گلستاں نگاہ کا سامان کے ہوئے
 جہاں حیرتِ دلِ فوجی منوں کے ہوئے
 زلفِ یاسخِ چو پریشاں کے ہوئے
 سرے سے حیرتِ مژگاں کے ہوئے
 چہرہ فروغ نے سے گلستاں کے ہوئے
 سرزیرِ بادِ منتِ دریاں کے ہوئے

جی ڈھونڈتے پھرتی فرصت کی لاش
 بیٹھے رہیں قصودِ جانان کے سہوے
 غالب ہیں نہ چھڑ کر پھر خوش اشک سے
 بیٹھے ہیں غمِ تہیتِ طوفاں کئے ہونے

۲۲۲

نورِ دامن ہے بے ادو دستِ جاں کیلئے
 رہی نہ طرے ستم کوئی آسمان کیلئے
 بلبلے گر مشو یا ترشہ نوزل ہے
 کھول کھول اپنی ہی شکر گاہِ نشاں کیلئے
 وہ زرد ہم ہیں کہ ہیں ششاس خلقِ اخضر
 نہ تم کو چوبے عمرِ جاوداں کیلئے
 رہا بلا میں بھی مستلئے آفتِ شک
 بلبلے جاں ہے لواتیری اک جاں کیلئے
 خاکِ دُور دکھا اس سے مجھ کو میں ہی نہیں
 دراز دوستی قاتل کے امتحان کیلئے
 مثال ہے مری کوشش کی ہر کمرِ غمیر
 اٹھا اور اٹھ کے دم کی پاباں کیلئے
 گدا سمجھ کے وہ چپکھا مری جو شامت کئی
 بہ قدیم شوق نہیں ظنِ تنگناں کیلئے
 دیلے خلق کو بھی تا اُسے نظر نہ لگے
 کچھ اور چاہئے دستِ کربیاں کیلئے
 زبان پر بارِ خدا یا! یہ کس کا نام آیا
 بنائے پیشِ تجنِ حسین خاں کیلئے
 کہ میرے نطق نے ایسے تیر زبان کیلئے
 نصیرِ دولتِ دویں اللہ میں ملتِ ملک
 بلبلے چرخِ برس کیے آساں کیلئے
 زمانہِ مجدد میں اُس کے ہے محوِ رانش
 نہیں گئے اور ستارِ آبِ سماں کیلئے

وہ حق تمام ہوا اور مدح باقی ہے سفیہ چاہیے اس بھوکھا کیلئے
 اولئے غصہ سے غالب ہوا ہے نکتہ سرا
 صلائے عام ہے یا دارنِ نکتہ خاں کیلئے

قصائد

منقبت میں

سازِ یک فنہ ہنیں فیضِ چمن سے بیکار
 مستی بادِ صبا سے ہے بعض سبز
 سبز ہے جامِ نرد کی طرح داغِ پانگ
 مستی ابر سے گلہاں میں طرب ہے حیرت
 کوہ و صحرا پر معمور نئی شوقِ کبیل
 سوچے ہے فیضِ ہوا صوتِ خرگانِ قیم
 کاٹ کر چھینکے ناخن تو یہ اندازِ بلبل
 کعبہ ہر خاک پر گردوں شدہ قمری پڑا
 سے کعبہ میں ہو اگر آرزوئے گل چینی
 مہرِ گل و صحنہ زینت کعبہ چرخِ باغ
 کھینچے گرائی اندیشہ چمن کی تصویر
 نسل سے کی ہے پئے زمزمہ رحمت شاہ
 سایہ لالہ بچے داغِ سویرائے بہار
 ریزہ شیشہ سے جو ہر تیغ کہار
 تازہ ہے ریشہ نازِ پنج صفتِ شہزاد
 کہ اس آغوش میں ممکن جو عالم کا شمار
 راہِ خواہیدہ ہوئی خندِ گل سے بیدار
 سرِ لہشت و جہاں ابرہہ یک سطرِ قبار
 قہرِ نامیاس کو بھی نہ چھوڑے بیکار
 دایم ہر کاغذِ آتش زونہ طائرِ شکار
 جھل جہاں ایک تاج بادہ بر طاقِ گلزار
 گم کرے گردش سے خانہ میں گر تو دستار
 سبز مثل خطِ فوخیز جو خطِ پرکار
 طوطی سبزہ گہنار نے پیدا منقار

وہ شہنشاہ کہ جس کی پے تعمیر سرا
 فلک العرش مجوم غم دوش مرئود
 سبزہ زمیں و یک خط پشت لب نام
 واں کے غشاک حاصل ہو جو یک کج
 خاک محوئے نجف ہم ہر سیر عرفا
 ذہ اس گرد کا انور شید کو آئینہ تاز
 آفریش کو ہے والک طلبیستی ناز

چشم جبریل ہوئی قلب بخت دیوار
 رشتہ بغض ازل ساری طناب ہمار
 رفت بہت حد عارف یک امجد
 وہ ہے مردہ بال پر ہی سے یزار
 چشم نقش قدم آئینہ بخت میدار
 گرد اس دشت کی تہید کو احلام بہار
 عرض خیالہ ایجا ہے ہر موج بہار

مطلع ثانی

فیض سے تیرے ہوئے شمع شبتان بہار
 شکل طاؤس کرے آئینہ خانہ پرواز
 تیری اولاد کے غم سے ہے بزرگ دلیاں
 ہم مبادت کو ترا نقش قدم ہر ناز
 مدح میں تیری نہاں زمر و نسبت نبی
 جو ہر دست دعا آئینہ یعنی تاثیر
 مرد یک سے ہو عزاء اقبال نگاہ

دل پر دانہ چراغاں پر بیکل گلزار
 ذوق میں جلوے کے تیرے بہا ویدار
 سناک اختر میں میلہ خزا گوہر بار
 ہم ریاضت کو ترے حوصلے سے مستطہار
 جام سے تیرے میاں دادہ جوش اسرار
 یک طرف نازش مرگان دودل و غم خار
 خاک کی تری جو چشم نہ ہو آئینہ دار

دشمن آل نبی کو ہر طرف غارت و مہر
 عرض خمیازہ سیلاب ہر طاقی دیوار
 دیدہ تادل ہستہ آئینہ یک پر تو شوق
 فیضِ معنی سے خط سافر ماقم سرشار

۲

منقبت میں

دہر جز جلوتہ یکتائی مستوق نہیں	عم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا تو دین
بے دلی ہائے تماشا کہہ شیر ہے شوق	بے کسی ہائے تنہا کہہ دین ہے ندی
ہر دم ہے نغمہ زیرِ دم ہستی قدم	لغو ہے آوازِ فرق جنوں و تنگیں !
نقشِ معنی ہے خمیازہ عرضِ صورت	محنِ حق ہے پیمانہ ذوقِ تحسین
لاف و انش فلط و نفع عبادتِ علوم	دُرِ دیک سار غفلت ہے چہ دنیا چہ دین
مثلِ مضمون و قافا بدوستِ تسلیم	صورتِ نقشِ قدمِ خاک ہے فرقِ تکسین
عشق ہے ربطی شیرازہ اجزائے حواس	وصلِ از نگارِ رخ آئینہ حسنِ بغیس
کوہ کن گرسنہ مزدورِ طرب گاہِ رقیب	بے ستوں آئینہ خوابِ گراں شیریں
کس نے دیکھا نصیبِ اہل و عا آتشِ خیز	کس نے پایا اثرِ نالہ دل ہائے حزیں ؟
سایح ز مزمزہ اہل جہاں ہوں لیکن	خسروِ ملک ستائشِ مددِ ملّا فقریں
کس قدر ہرزہ سراجوں کہ میلاؤا باد	یکے سلمِ خایجِ آدابِ نادر و تنگیں

نقشِ ہول لکھائے خامہِ فہرستِ تحریر
 منظرِ فیضِ خدا جانِ دل ختمِ رسل
 ہو وہ سرِ پایہِ ایجادِ جہاں گرمِ خلام
 جلوہ پر داز ہو نقشِ قدم اس کا جس کا
 نسبتِ نام سے اس کی ہو یہ رتبہ کہ ہے
 فیضِ خلق اس کا ہی شامل ہے کہ تو ہر سل
 برشِ تیغ کا اُس کی ہے جہاں میں چرچا
 کفر سوز اس کا وہ جلوہ ہر کس سے لوثے
 جہاں پناہ! دلِ جہاں فیضِ سانا اُشاہ!

جہمِ اطل کو ترے دشتِ حیرتِ سر
 کس سے ممکنِ جہرِ روحِ بغیرِ واجب
 آستان ہے ترے جو ہر آئینہ رنگ
 تیرے در کیلئے اسبابِ ثناءِ ملکہ
 تیری رحمت کیلئے ہیں لہجہاں کا مِٹِ نیاں
 کس سے ہو سکتی ہے مداحیِ مدحِ خدا
 جنسِ بازارِ مباحی اسدا اُشاہ

یا علی عرض کر کے غفلتِ سواس قریں
 قبلہ آلِ نبی کعبۂ احب و یقین
 ہر کتبِ خاک ہے والِ گدہ تصویرِ نہیں
 وہ کتبِ خاک ہے ناموسِ عالم کی نہیں
 ابدِ ایشِ خاکِ خم شدہ ناز و میں
 لئے گل سے نفسِ بادِ صبا طر آگین
 قطع ہو جائے نہ سرِ ششِ ایجادِ کہیں
 نگہِ عاشقِ کطرحِ رونقِ تھانہ پیل
 دمِ ختمِ رسل کیسے بنتو لئے یقین
 نامِ نامی کو ترے نامیہِ معرِشِ نگین
 شعلہ شمعِ معرِشِ پیرِ باز سے آئیں
 نقمِ بندگی حضرتِ جبریلِ امیں
 خاکِ یوں کو جو خدا کیے جانِ دلِ دیں
 تیری تسلیم کو میں لوحِ قلمِ دستِ دیں
 کس سے ہو سکتی ہو آرائشِ فردوسِ بریں
 کہ سوا تیرے کوئی اس کا خریدار نہیں

اس کو مجھوں نہ چاہئے کہتا
ایک میں کیا کہ سب نے جان لیا
راہِ دل مجھ سے کیوں چھپاتا ہے
جانتا ہوں کہ آج دنیا میں
میں نے مانا کہ تو ہے حلقہ بگوش
جانتا ہوں کہ جانتا ہے تو
پہرِ تاباں کو ہو تو ہوا لے ماہ!

صبح جو چلے اور آئے شام
تیرا آواز اور ترا بھلا
مجھ کو سمجھا ہے کیا کہیں نہ سمجھ
لیک ہی ہے امیدِ گاہِ انام
غالب اس کا گر نہیں ہے غلام
تب کہلے یہ طرزِ استہام
قربِ ہر روزہ برسبیلِ دام

ق

تجھ کو کیا پایہ دشمنی کا
جانتا ہوں کہ اس کے فیض کو
ماہِ بنِ ماہِ تاب بن ہیں کون
میرا اپنا حسبِ اسلام ہے
ہے مجھے آرزو بخششِ خاص
جو کہ بخشے گا تجھ کو فر فرغ
جب کہ چودہ منہ ازلِ فلکی
تیرے پر تو سے ہوں فرغِ پذیر

جزیرہ تقربِ عیدِ ماہِ میام
پھر جا چاہتا ہے ماہِ تسم
تجھ کو کیا بانٹ دے گا تو انعام
اور کے لین دین سے کیا کام
گر تجھے ہے امیدِ رحمتِ عام
کیا نہ دے گا تجھے سے کلفام
کہ چکی قطع تیری تیرے کام
کے و مشکوے و محنِ منظورِ دام

دیکھنا میرے ہاتھ میں لبریز اپنی صورت کا اک بلوریں جام
پھر غزل کی رکش پہ چل نکلا تو سن طبع چاہتا تھا رگام

غزل

زہرِ غم کی چکا تھا میرا کام
مے ہی پھر کوئی میں پئے جاؤں
غم سے جب ہو گئی مجریت حرام
کہ نہ بھیجیں وہ لذت و شام
بوسہ کیسا؟ یہی غنیمت ہے
کعبے میں جا بجائیں گے ناقوس
اب تو ریا نہ چلے دیر میں احرام
چرخ نے لی ہے جس کے گردشِ عام
اس قدر کا ہے دورِ مجھ کو نقد
بوسہ دینے میں ان کو سے انکار
دل کے لینے میں جن کو ہے ابرام

پھیڑتا ہوں کہ ان کو غصہ آنے

کیوں رکھوں درِ غالب اپنا نام

کہہ چکائیں تو سب کچھ اب تو کہہ
اے پری چہرہ ایک نیز خرام
کون ہے جس کے در پہ ناصیبِ سا
میں مردِ مہر و زہرہ و بہرام
تو نہیں جانتا تو مجھ سے سن
نامِ شاہنشاہِ بلند مقام
قبلہ چشم و دل بہادر شاہ
منظہر ذوالجلال والا کلام

شہسوارِ طریقہٴ انصاف نو بہارِ مدیقہٴ اسلام
 جس کا ہر فعل صورتِ امجاز جس کا ہر فعل مستیِ الہام
 بزم میں مہیں زبانِ قیصر و جم رزم میں استادِ رقص و سام
 اے ترا لطفِ زندگی انسا اے ترا عہدِ فرخی فرجام
 چشمِ بدِ قدر! خسروا! مشکوہ وحشِ باغِ افسانہٴ کلام
 جاں نثاروں میں تیرے قیصرِ روم بزمِ خماروں میں تیرے مرشدِ جام
 وارثِ ملکِ جلالتے میں تجھے ایرجِ دُورِ خسروِ بہرام
 زویرِ بازو میں مانتے میں تجھے گیدو، گردِ زویرِ زان و دام
 مہربانِ شوکانی، نادرِ کب آفریں آبِ داریِ مصہام
 تیرے تیرے غمِ سیرِ ہفت تیغِ کوتیرے تیغِ خیمِ نیام

ق

دھند کا کہ رہی ہے کیا دم بند بدق کو دے رہا ہے کیا الزام
 تیرے فیلِ گراں جبر کی صدا تیرے خوش بکِ غناں کا خام

ق

فنِ صورتِ گری میں تیرا گزند گزندِ کتابِ ہر دستِ گاہ تمام
 اس کے مضروب کے سرو تن سے کہوں نمایاں ہو صورتِ ادا قام

جب ازل میں رقم پذیر ہوئے صفحہ ہائے لیالی و ایام
اور ان اوراق میں یہ کلاک قضا مجملہ منسج ہوئے احکام
لکھ دیا شاہدوں کو عاشق نگش لکھ دیا عاشقوں کو دشمن کام
آسمان کو کہا گیا کہ کہیں گنبد تیز گرد نیلی خام
حکم ناطق لکھا گیا کہ لکھیں خال کو دانہ اور زلفت کو دام
آتش و آب باد و خاک نے لی دھنچ سوز و غم و رم و آرام
مہر رخشاں کا نام خسرو روز ماہ و تاباں کا اسم شمس و خام
تیری تو قبیح سلطنت کو بھی دی بدستور صورت ارقام
کاتب حکم نے بموجب حکم اس رقم کو دیا طراز دوم
ہے ازل سے روانی آغاز

ہو ابد تک رسائی انجام

۳

صبح دم دروازہ خلور کھلا مہر عالم تاب کا منظر کھلا
خسرو انجم کے آیا صرف میں شب کو مصفا گنجینہ گوہر کھلا
وہ بھی ممتی اک پیمای کی سی نمود صبح کو رازِ مہ و خستہ کھلا
میں کہ اک کچھ نظر آئے ہیں کچھ دیتے ہیں دھوکا یہ بازی گر کھلا

صلح گردوں پر پڑا اختلاف کہ موتیوں کا ہر طرف زیور کھلا
 صبح آیا جانبِ مشرقِ نظر اک نگارِ آتشیں رُخ اسر کھلا
 معنی نظر بند ہی کیا جب نہ سحر بادہ گل رنگ کا ساغر کھلا
 لاکے ساتی نے صبوحی کیلئے دکھ دیا ہے ایک جامِ زر کھلا
 بزمِ سلطانی ہوئی آراستہ کعبہ امنِ اماں کا در کھلا
 تاجِ زریں مہر تاباں سے سوا خسروِ آفاق کے منہ پر کھلا
 شاور روشن دل بہادر شدہ کہ ہے رازِ بہتی اس پستوا سر کھلا
 وہ کہ جس کی صورتِ تجوین میں مقصدِ غرچہ رخ و مہفتِ اختر کھلا
 وہ کہ جس کے ناخنِ تاویل سے عقدہ احکامِ پنجیب سر کھلا
 پہلے دارا کا نکل آیا ہے نام اس کے سرنگوں کا جبِ فر کھلا
 روشناسوں کی جہاں فہرستِ واں لکھا ہے چہرہ قیصر کھلا

قطع

تو سن شہ میں وہ خوبی ہے کہ جب محال سے وہ غیرتِ مصر کھلا
 نقشِ پاکی صورتیں وہ دلفریب تہ کہ بتِ خشاءِ آذر کھلا
 مجھ پر فیضِ تربیتِ شاہ کے منصبِ ہر دم و محور کھلا
 لاکھ عقدے دل میں تھو لیکن ہر ایک میری عیدِ سع سے باہر کھلا

تھادل والبتہ فضل ہے کلید
کس نے کھولا بکب کھلا؛ کیونکر
باغِ معنی کی دکھاؤں گا بہار
مجھ سے گر شاہِ سخن گستر کھلا
ہو جہاں گرم غزل خوانی نفس
لوگ جانیں طبلہ معنبر کھلا

غزل

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا
کاشکے ہوتا نفس کا دکھلا
ہم پکاریں اور کھلے یوں کن جا؟
یار کا دروازہ پائیں گر کھلا
ہم کو ہے اس رازداری پر گھنڈ
دوست کا ہے راز و دشمن پر کھلا
واقعی دل پر بھلا لگتا تھا داغ
زخم لیکن داغ سے بہتر کھلا
ہاتھ سے رکھ دی کب بٹے کماں؟
کب کمر سے غمزے کی خنجر کھلا؟
مفت کا کس کو بڑا ہے بدرقہ؟
رہروی میں پردہ رہبر کھلا
سوزِ دل کا کیا کرے بارانِ شگب
آگ بھڑکی مینا گر دم بھر کھلا
نامے کے ساتھ گیا پیغامِ مرگ
رہ گیا خط میری چھاتی پر کھلا

دیکھو، غالب سے گرا بھا کوئی

ہے ولی پوشیدہ، اور کافر کھلا

پھر نوا رحمت طرازی کا خیال
پھر مردِ نور شید کا دفتر کھلا

خدے نے پائی طبیعت سے درد
 مرض سے ممدوح کی دیکھی شکوہ
 بادیاں کے اٹھتے ہی سن کر کھلا
 ہرکانا چرخ چپ کر کھا گیا
 مرض سے یوں رتبہ جو مگر کھلا
 بادشاہ کا لیت شکر کھلا
 اب علو پایہ منبر کھلا
 بادشاہ کا نام لیتا ہے غلیب
 اب عیار آبرو دے ڈر کھلا
 سکہ شہ کا ہوا ہے روٹنا س
 اب مالِ سخی اسکت در کھلا
 شاہ کے آگے دھڑ ہے آمنہ
 اب فریب بلخل و سنجر کھلا
 ملک کے وارث کو دیکھا خلق نے
 دستِ مدح جہاں داور کھلا
 ہو سکے کیا مدح؟ ہاں اک نام ہے
 محجز اعجازِ ستائش گر کھلا
 فکرِ اچھی پر ستائشِ ناتمام
 تم پر اے خاقانِ نام آور کھلا
 جانتا ہوں ہے خطِ لوحِ ازل
 تم کو صاف حقانی جلیل
 ہے طلسمِ روز و شب کا در کھلا

مثنوی

آموں کی تعریف میں

ہاں دِل درو مند ز مزمہ راز کیوں نہ کھولے درِ خزمینہ راز
 خاتمے کا صفحہ پر رواں ہوتا شاخ گل کا ہے گلِ فشاں ہونا
 تجھ سے کیا پوچھتا ہوں کیا لکھتے؟ نکلتے ہائے حسد و فساد لکھتے
 بارے آموں کا کچھ بیاں ہو جائے خامہ نخلِ رطب فشاں ہو جائے
 آم کا کون مردِ میدان ہے؟ فردِ شاخ گوے و چوگاں ہے
 تاک کے جی میں کیوں رہے ارماں؟ آنے یہ گورے اور یہ میدان
 آم کے آگے پیش جائے خاک پھوڑتا ہے جلے پھپھولے تاک
 نہ چلا جب کسی طرح متدوّد بادۂ ناب بن گیا انگور
 یہ بھی ناچار جی کا کھونا ہے ق شرم سے پانی پانی ہونا ہے
 مجھ سے پوچھو تمہیں خبر کیا ہے آم کے آگے فیشکر کیا ہے
 نہ گل اس میں نہ شاخ و برگ بار جب خزاں ہو تب آنے اس کی بہار
 اور دھڑائیے قیاس کہاں؟ جان شیریں میں یہ مٹھاس کہاں
 جان میں ہوتی گر یہ شیرینی کوہ کن بادِ جو دُغ گینی

جان دینے میں اس کو یکتا جان
 نظر آئے ہے یوں مجھے یہ شر
 آتش گل پر قند کل ہے قوام
 یا یہ ہو گا کہ فرطِ رافت سے
 انجبین کے یہ حکیم رہا نہ اس
 یا لگا کر خضرؑ نے شاخ نبات
 تب نہا ہے شرفشاں یہ نخل
 تھا ترنج زر ایک خمر و پاس
 آم کو دیکھتا اگر اک بار
 رونق کار گا و برگ و لڑا
 رہو دیار و خلد کا تو شہ
 صاحبِ شایع برگ بار ہے آم
 خاص وہ آم جو نہ اڑاں ہو
 وہ کہ ہے دالی دلایتِ عہد
 فخر و سرشان و جاہِ جلال
 کار فرمائے دین و دولت و بخت
 پر وہ یوں سہل دے نہ سکتا جان
 کہ دوا خفاؤ ازل میں مگر
 شیرے کے تار کا ہے ریشہ نام
 باغبانوں نے باغِ جنت سے
 بھر کے بھیجے ہیں سر و ہر گلاس
 مدتوں تک نہا ہے آبِ حیات
 ہم کہاں ورنہ اور کہاں یہ نخل
 رنگ کا زرد پر کہاں بو باس
 پھینکے تیا طلائے دست افشار
 ناز مشرق و دمان آب و ہوا
 طوبی و سدرہ کا جگر گوشہ
 ناز پروردہ بہار ہے آم
 نور بن نخل باغِ سلطان ہو
 عدل سے اُسکے ہر حمایتِ مہد
 زینتِ طینت و جمالِ کمال
 چہرہ آرائے تاج و سند و تخت

سایہ اس کا ہما کا سایہ ہے خلق پر وہ خدا کا سایہ ہے
 اے مفیض دیکھو سایہ و نور جب تک کہ ہے نورِ سایہ و نور
 اس خداوند پر در کو تارِ گنج و تخت و افسر کہ
 شاد و دل شاد و شاد ماں کیوا
 اور غالب پہ مہرباں کیوا

قطعات

(۱)

اے شہنشاہِ فلک متظر بے مثل و نظیر
پادشاه سے تیرے ملے فرقِ ادا و تک
تیرا اندازِ سخن شائد زلفِ الہام
تجہ سے عالم پہ کھلا رابطہٴ قربِ کلیم
بہ سخن اور جو مرتبہٴ معنی و لفظ
تاترے وقت میں ہمیشہٴ طرب کی تیز
ماہ نے چھوڑ دیا ثور سے جانا باہر
تیری دانش میری اصلاح سد کی ہیں
تیرا اقبال رسمِ مرے جینے کی نوید
بختِ ناساز نے چاہا کہ نہ مجھ کو مان
پچھے ڈالی ہے سرِ رشتہٴ ادا و ات
تپشِ دل نہیں بے رابطہٴ خوفِ عظیم
دربِ معنی سے مرا صفحہٴ لقا کی دائرہٴ می

اے جہاں دارِ کرم خدیوہ بے شب و عدیل
فرق سے تیرے کر کے سیادتِ کلیل
تیری رفتارِ قلمِ حشرِ بالِ جبِ ریل
تجہ سے دُنیا میں بھجا ماندہٴ بذلِ غلیل
مکرم - داغِ نہ ناصیہٴ قلمِ مژیل
تاترے عہد میں ہونجِ دالم کی تقلیل
دہر و نے ترک کیا موت کو کنا تحویل
تیری بخشش میری انجاءِ مقاصد کی غلیل
تیرا اندازِ تفاضل مرے سرے کی دلیل
چرخِ کج بانے چاہا کہ کرے بھکھو ذلیل
پہلے شوخی ہوئی تا غنِ تدبیر میں کیل
کششِ دم نہیں بے رابطہٴ جراثیل
علمِ گیتی سے مرا سببِ علمِ زبیل

۱۔ لقا اور نظروں میں آئیے داستانِ ابرجِ جزا کے : دہر و کر دادر میں ۔

فکر میری گہرا نڈر شاہ سب کثیر کلک میری رقم ہو میرا تھیل
میرے اہام پہ ہوتی ہر تصدق توضیح میرے اہمال سے کرتی ہر تراوش تفصیل
نیک ہوتی مری حالت تو نہ دیتا تکلیف جمع ہوتی مری خاطر تو نہ کرتا تعبیل
قبلہ کون و مکان ہستہ نوازی میں دیر کعبہ میں بیابان ہفتہ کشائی میں ڈھیل

(۲)

گئے وہ دن کہ نافرمانیہ غیروں کی فساداری
کیا کرتے تھے تم تقریب ہم خاموش رہتے تھے
بس اب بگوشے پہ کیا شرمندگی جانے دولِ جاؤ
قسم لو ہم سے گریہ بھی کہیں کیوں ہم نہ کہتے تھے

(۳)

کلکتے کا جو ذکر کیا تو نے ہم نشیں ایک تیر مسکینے میں مارا کہ ہائے ہائے
وہ سبزہ ناز ہائے مطر اکہ غے غضب وہ نازنین بیتان خود آرا کہ ہائے ہائے
سیر آئنا وہ آن کی نگاہیں کہ حجب نظر طاقت ریا وہ ان کا اشارا کہ ہائے ہائے
وہ عیوہ ہائے تازہ و شیریں کہ واہ واہ وہ بادہ ہائے ثواب گوارا کہ ہائے ہائے

(۴)

ہے جو صانع کف دست پہ یہ چکنی دلی زیب تیار کرے جس قدر اچھا کہنے

عامہ انگشت بندھاں کہ اسے کیا لکھیے ناطقہ سر پہ گریباں کہ اسے کیا کہیے
 ہر مکتوب عزیزانِ گرامی لکھیے حوزہ یازدہ شکرخانِ خرد آرا کہیے
 کیوں اسے گوہرِ نایاب تصور کیجیے کیوں اسے مرواریدِ عتقا کہیے؟
 کیوں اسے تک پُرسراں لیل لکھیے کیوں اسے نقشِ پے ناطقہ سلما کہیے؟
 اپنے حضرتِ کعبِ دستِ محمدؐ دل بجھنے فرض اور اس مکنی پساری کو سویدا کہیے

(۵)

نہ پوچھا اس کی حقیقت حضورؐ والانے
 بجھے جو بھیجی ہے بسین کی روحِ غنی روٹی
 دکھاتے گیہوں، نکلتے نہ خلد سے باہر
 جو کھاتے حضرتِ آدمؑ ہے بیسنی روٹی

(۶)

مسی آلودہ سر انگشتِ حیدناں لکھیے داغِ طرفِ جگر عاشقِ شیدا کہیے
 حاتمِ دستِ سلیمان کے مشابہ لکھیے سیرِ پستانِ پرہی زلفِ ماما کہیے
 اخترِ سوختہ قیس کے نسبت دیجے خالِ مشکینِ رخِ دلکش لیل لکھیے
 حجرِ الاسودِ دیواِ جسمِ کھجے فرض نازِ آمونے بیابانِ ختن کا کہیے
 وضع میں اس کی اگر جلنے تمام تریاق رنگ میں سبزہٗ نوخیزِ سیما کہیے

صومے میں اسے ٹھہرائیے گر مہر نماز سے کدے میں اسے خشتِ غم مہیا کہتے
کیوں اسے فصلِ درخِ بخت لکھئے کیوں اسے نقطہٴ پرکارِ تنہا کہتے

سہرا

خوش ہوا بخت کہ ہے آج ترے سر پہ سہرا

باندھ شہزادے جواں بخت کے سر پہ سہرا

کیا ہی اس چاند سے مکھڑے پہ بھلا لگتا ہے!

ہے ترے سخنِ دلِ افروز کا زلیخا سہرا

سر پہ چڑھنا تجھے چھبتا ہے پر اسے طرفِ نگاہ

مجھ کو ڈر ہے کہ نہ چھینے تیرا لمبر سہرا

ناؤ بھر کر ہی پر دے گئے ہونگے موتی

ورنہ کیوں لائے ہیں کشتی میں لگا کر سہرا

سات دریا کے فراہم کئے ہونگے موتی

تب بنا ہو گا اس انداز کا گز بھر سہرا

نوح پہ ڈولہا کے جوگر می سے پسینہ ٹپکا!

ہے رگِ ابرِ گہر بار بار سہرا

یہ بھی اک بے ادبی تھی کہ قبائے بڑھ جائے

رہ گیا آن کے دامن کی برابر ہر
 جی میں اترائیں نہ موتی کہ ہیں ہیں اک چہینہ
 چاہئے پھولوں کا بھی ایک مقرر ہر
 جب کہ اپنے میں سماویں نہ خوشی کے ماسے
 گونہ پھولوں کا بھلا پھر کوئی کیونکر ہر
 بخ روشن کی دمک گوہر غلطاں کی چمک
 کیوں نہ دکھلائے فروغِ مہ و اختر ہر
 تارِ ریشم کا نہیں ہے یہ رگِ ابر ہر
 لائے گا تابِ گراں باری گوہر ہر
 ہم سخنِ نغم ہیں غالب کے طرفدار نہیں
 دیکھیں کہہ دے کوئی اس جہرے برہمک ہر

(۷)

مستور ہے گزارشِ احوالِ اتعی	پنا بیانِ حسنِ طبیعت نہیں مجھے
مردِ پشت ہے پیشہ آبِ سپر گری	کچھ شاعری ذریعہ عزت نہیں مجھے
آزادہ رزمِ مولائے مسک ہے مسلح کل	ہرگز کہیں کسی سحرِ مداوت نہیں مجھے
کیا کہ ہے یہ ثروت کہ ظفر کا غلام ہوں	مناکر بہاد و منصبِ ثروت نہیں مجھے

استاد شے ہو مجھے پر خاش کا نیال
یہ تاب یہ مجال یہ طاقت نہیں مجھے
جام جمہاں نما ہے شہنشاہ کا ضمیر
سو گندا و رگراہ کی حاجت نہیں مجھے
میں کون اور بخت؟ ہاں میں کردما
خبر انبساط خاطر حضرت نہیں مجھے
سہرا لکھا گیا نہ امتثال امر
دیکھا کہ چارہ غیر اطاعت نہیں مجھے
مقطع میں آپشی ہر سخن گستر ادبات
مقصود اس کے قطع محبت نہیں مجھے
روئے سخن کسی کی طرت ہو تو رو سیاہ
سودا نہیں جنوں میں ہوش نہیں مجھے
تمت نمی ہی طبیعت بری نہیں
ہے فکر کی جگہ کہ شکایت نہیں مجھے

صادق ہوں اپنے قول میں غالب مددگار

کہتا ہوں سچ کہ جھوٹ کی عادت نہیں مجھے

(۸)

نصرت الملک یہاں مجھے بتلا کہ مجھے
تجھ سے جو اتنی ادا ہے۔ تو کس بات سے ہے؟
گر چہ تو وہ کہ کہ سگامہ اگر گرم کرے
موفق بزم مد و مہر تری فاقے ہے
اور میں ہوں کہ گرمی میں کسی خود کر دس
غیر کیا خود مجھے نفرت میرا وقتا ہے
خنگی کا ہر جلا جس کی سبب سے سر دست
نسبت اب گو نہ کرو لکڑی کا ہے
باتھ میں تیرے تو سن دولت کی عنایاں
یہ ماشام و بحر تاضی ملبات ہے
تو سکندر ہے مرا نخر ہے بلتا تیرا
گو شرف خضر کی بھی مجھ کو ملاقات ہے

اس پر گز سے ننگاں ریلو وریا کا زہار
غالب خاک نشیں اہل خوابات سے ہے

(۹)

ہے چار شنبہ آخراہ صفر چلو
رکھ دیں چمن میں بھوکے خوشک لب کی تازہ
جو آئے جام بھر کے پیئے اور کھست
سبز گور و دوتا پھر پھوڑو لکھو جائے پھاند
جیتے ہیں سوئے سوئے کے چھلے حضوئیں
ہے جن آگے سیم و زمرہ سربام ماند
یوں بھینے کی بج سے غالی کئے ہوئے
لاکھوں ہی آفتاب ہیں اور بے شمار چاند
غالب یہ کیا بیاں بنے حسن و صبح بادشاہ
بھاتی نہیں ہے ابھی کوئی لڑشت مخواند

(۱۰)

اے شاہ جہاں گیر جہاں بخش جہاندار
ہے خیر سے ہر دم تجھے صد گونہ بشارت
جو عقد و شوار کہ کوشش نہ وہا ہو
تو وارے اس عقد کو سو بھی بشارت
ممکن ہو کہ حضرت سکندر سے ترا ذکر
گرب کو نہ چترہ میواں سے طہارت
آصف کو سلیمان کی وزارت شرف تھا
ہے فخر سلیمان جو کہ ہے تری وزارت
ہے نقش مریدی ترا فرمان الہی
ہے دماغ غلامی ترا توسیع امارت
تو آگے گرب کرے طاقت بیلاں
تو آگے ہر گز دفع کرے تاب شرارت

دھونڈنے والے موجبِ دریا میں دانی باقی دہے آتشِ سوزاں میں حرارت
 ہے گرچہ مجھے ٹکٹہ سرائی میں تو قفل ہے گرچہ مجھے بحر طرازی میں نہارت
 کیونکہ ذکرِ دلِ مدح کو میں ختم دعا پر قاصر ہے شکایتِ ہی تی میری عبارت
 نوروزِ ہجرتِ آج اور وہ دن ہر کہہ ہے نہیں نظارگی صنعتِ حقِ اہلِ عبارت
 تجھ کو شرفِ مہرِ جہاں تابِ مبارک
 غالب کو تے عتبہِ عالی کی زیارت

(۱۱)

افطارِ صوم کی کچھ اگر دستگاہ ہو
 اس شخص کو ضرور ہے سوزہ رکھا کرے
 جس پاسِ فزہ کھولے کھانے کو کچھ نہ ہو
 روزہ اگر نہ کھائے تو ناچار کیا کرے

(۱۲)

اے شہنشاہِ آسماں اور نگاہ اے جہاندارِ آفتابِ آثار
 تھمائیں اکبے کو انگورِ نشیں تھمائیں ایک درومندِ سیدِ فکار
 تم نے مجھ کو جو آبرو بخشی ہوئی میری وہ گرمی بانہار
 کہ مڑا مجھ کو ذرہ ناچیز روشناسِ ثوابِ وسیار

گرچہ از دشتِ رنگِ بے مہتری
 کہ گر اپنے کو نہیں کہوں خاکی
 شام ہوں لیکن اپنے جی میں کہ ہوں
 خانہ زاد اور مرید اور مداح
 بلے نوکر بھی ہو گیا صد شکر
 نہ کہوں آپ کے تو کس سے کہوں؟
 پیرو مرثدا اگرچہ مجھ کو نہیں
 کچھ تو جاڑے میں چاہئے آخر
 کیوں نہ درکار ہو مجھے پوشش
 کچھ خریدائیں ہے اب کے سال
 رات کو آگ اور دن کو دھوپ
 آگ تلے کہاں تک اناں؟
 دھوپ کی تابش آگ کی گرمی
 میری تنخواہ جو تفریب ہے
 رسم ہے مرنے کی چھ ماہی ایک
 مجھ کو دیکھو تو ہوں بقید حیات

ہوں خود اپنی نظر میں انا خوار
 جانتا ہوں کہ آئے خاک کو مار
 بادِ شہ کا غلام کا رہ گزار
 تھا ہمیشہ سے یہ عریضہ نگار
 نسبتیں ہو گئیں مشخص چاہے
 مدعا ئے ضروری الاظہار
 ذوقِ آمالیش سر و دستار
 تانہ دے بادِ زہریرہ آزار
 جسم رکھتا ہوں ہے اگرچہ نزار
 کچھ بنایا نہیں ہے اب کی بہار
 بھارت میں جاتیں ایسے میل و نہار
 دھوپ کھائے کہاں تک جانناؤ
 قَتَنًا رَتَبًا هَذَابُ النَّارِ
 اسکے ملنے کا ہے عجیب ہنکار
 خلق کا ہے اسی چمن پہ مدار
 اہد چھ ماہی ہوسال میں دوبار

بس کہ لیتا ہوں ہر مہینے قرض
 میری تنخواہ میں تہائی کا
 آج مجھ سا نہیں زمانے میں
 رزم کی داستان اگر سنئے
 رزم کا التزام کر کیجے
 ظلم ہے گردن دو سخن کی داد
 آپ کا بندہ اور بھروسہ نہ لگا
 میری تنخواہ کیجے ماہ بہ ماہ
 ختم کرتا ہوں اب دعا پہ کلام
 تم سلامت رہو ہزار برس
 اور رہتی ہے سود کی تکرار
 ہو گیا ہے شریک ساہوکار
 شاعرِ نغمہ گوئے خوش گفتار
 ہے زبان میری تیغ جو ہر دار
 ہے قلم میرا ابرو گوہر بار
 قہر ہے گردن دوئے مجھ کو پیار
 آپ کا ذکر اور کھاؤں ادھار
 تانہ ہو مجھ کو زندگی دشوار
 شاعری سے نہیں مجھے سرد کار
 ہر برس کے ہوں دن بچا س ہزار

(۱۶۱)

یہ گلیم ہوں لازم ہے میرا نام ملے
 نہ وہ غلبہ مدیترہ کبھی کسی پہ بٹھے
 جہاں میں جو کوئی نوح و ظفر کا طالب ہے
 کہ جو شریک ہو میرا شریک غالب ہے

(۱۶۲)

سہل تھا سہل دلے سخت شکل اپنی
 تین تین پہلے تین دن سہل کے بلند
 مجھ پہ کیا گزرتے گاتے روحِ حاضرین جوئے
 تین پہل تین تیریں یہ بکے دن عمر بچے

(۱۵)

نخبۂ انجمن طوائف میرزا جعفر کہ جس کے دیکھے سب کا ہوا ہے جی محفوظ
 ہوئی ہے ایسے ہی فرخندہ سال میں غالب ذکیوں ہوا دہ سال عیسوی محفوظ
 ۱۸۵۴ء

(۱۶)

ہوئی جب میرزا جعفر کی شادی ہوا ہندم طرب میں قصب ناہید
 کہا غالب سے تالیخ اس کی کیا ہے؟ تو بولا "اشرح جشن جمشید"
 ۱۲۷۰ھ

(۱۷)

گو ایک بادشاہ کے سب خاندان ہیں
 دربار دار لوگ ہم آشنا نہیں
 کانوں پہ ہاتھ دھرتے ہو کرتے ہیں سلام
 اس سے ہے مراد کہ ہم آشنا نہیں

شب زلفت و رخسارِ گلستا
 کیا شمع کردلِ کر و تورِ عالمِ گستا
 لبِ یاسینِ سرِ آرا خطِ سخنِ تبار
 هر قطره اشکِ دیدہ پرِ غمِ تبار

آتشِ بازی ہے جیسے شعلِ افعال
 شورِ حربِ گویا بجائی ہو کواکِ حال
 تھا موعودِ عشقِ بھی قیامت کوئی
 لڑکوں کیسے گئے کیا ہے کیا ہیں بھال

(۴۲)
 دل تھا کہ جو جانِ خدا تیرا ہے
 بے تابیِ شک و حسرت دید ہے
 علم و فشن اسے تجھ کی نفوس
 حکمِ روا نہیں تو تجھ کی

(۴۵)
 خلیقِ خداش اڑنے کی لئے
 وحشتِ کدہ تلاش اڑنے کی لئے
 یعنی ہر بار وحشت کاغذِ نڈیاد
 ملتے ہیں یہ دو تلاش اڑنے کی لئے

دلِ سخت تو ہو گیا
 اس سے گلہ مند ہو گیا
 بی بی کی گلی گلی کے تینوں
 غائب منہ بند ہو گیا

دلِ چھجکا کر ہو گیا
 دلِ لک کر ہو گیا
 دلِ لک کر ہو گیا
 دلِ لک کر ہو گیا

(۸)
 مشکل ہندیں کلام میرا سدا
 نین کے لئے غرض نورانی کا من
 آسان کنجلی کرتے ہیں نیش
 گیم گیم گیم گیم گیم

(۹)
 بھیجی ہے جو بھڑکے شاہ جیجا بنے ال
 یہ شاہ پسند ال لیے بخت و ہدال
 ہے دولت دین دانش و دلا کی دال

(۱۰)
 ہیں شہرِ صفاتِ اجدالی باہم
 سنا جب لکلی و جب الکی باہم
 ہوں شاد و کیوں سانوں عالی باہم
 سنا کیسے شہرِ قدردو الکی باہم

(۱۱)
 حق شک کی تباہ خلق کو شاد کرے
 تاشاہ شہرِ دانش و اد کرے
 یہ دی گئی ہے شہرِ شہرِ گمان
 ہے صغرِ کراؤش ابراد کرے

(۱۲)
 اس رشتہ میں لاکھ تاروں کی جگہ سوا
 اتنے ہی برس شمار ہوں جگہ سوا
 ہر سیکڑہ کو ایک گہرہ فسخ کریں
 ایسی گتہیں ہزاروں جگہ سوا

(۱۳)
 کہتے ہیں کہ اب وہ موسم افسانہ نہیں
 عشاق کی پریشانی سے عازم نہیں
 جو باغ و کھنڈرِ کسم سے اٹھایا ہو گا
 کیونکہ مائوں کا اس میں تلو اور نہیں

(۱۴)
 کتنے ہیں جنہیں کلمہ کہنے کو ہے
 کتنے ہیں جنک کام کہنے کا ہے
 کتنے ہیں کہیں غلط سے اٹھا اٹھا
 وہ آپس میں صبح و شام کہنے کو ہے

(۱۵)
 سامانِ غصہ خواب کہاں سے ملے
 آرام کے لیے کہاں سے ملاؤں
 روزِ مریض کہاں سے نکالے
 غصہ نہ دیر سے کہاں سے ملاؤں

(۱۶)
 ان سپیوں کی بچوں کو کوئی کیا جلنے
 بھیجے ہیں جو ارمناں شہر لانے
 گبن کی دیوئیں گے دعائیں سو بار
 بیروزہ کی سب کچھ کے ہیں دہانے

(۱۷)
 رقعہ کا جواب کیوں بھیجا تم نے
 ثاقب حرکت کی ہے یہ عالم نے
 حاجی کلکوٹ سے کہے ہے جو جواب
 غالب کا پکا دیا کچھ تم نے

(۱۸)

اے روشنی دیدہ شہاب الدین خاں
کتنا ہے تباہ کس طرح سے مرضاں

ہوتی ہے تراویح سے فرصت کتبک
نہتے ہو تراویح میں کتنا فرق آن

وہ اشعار و قطعات محمد و ادین مروجہ میں نہیں ہیں قصیدہ

۱

مرحبا سالِ فخرِ خانی آئیں	عیدِ شوال و ماہِ فخرِ دین
شب و روزِ فتحِ ایل و تہار	مہ و سالِ شرفِ شہور و سنیں
گرچہ بعدِ عید کے نور و روز	ایک شیش از مہِ مفتہ بعد نہیں
سوا اس کیس دن میں مہولی کی	جا بجا مجلسیں ہوئیں رنگیں
شہر میں کو بہ کو غمِ بید و کلال	باغ میں سولہ و گل و سرس
شہر گویا نمونہ گلزار	باغ گویا نگارِ خضار چیں
تین تیو ہار اور ایسے خوب	جمع ہرگز ہونے نہ ہوئے کیس
پھر ہوئی ہے اسی جہنم میں	منعقد محفلِ نشاطِ قریں
محفلِ غسلِ صحتِ قوتِ آب	روشنی افزائے سندِ تمکین
بزمِ گرمیں امیرِ شاہِ نشان	بزمِ گرمیں حریفِ شیریں
پیشِ گلہِ حضورِ شوکتِ مجاہ	خیر خواہِ جنابِ دولتِ دیر
جن کی مسند کا آسماں گوشہ	جن کی خاتم کا آفتابِ رنگیں

جن کی دیوارِ قصر کے نیچے
 وہ ہیں اس طرح کی بزمِ سرور
 انجمِ چرخ گوہر آگیں فرش
 راجہ اندر کا جو اکھاڑ ہے
 وہ نظرِ گاہِ اہل و جمہ و خیال
 واں کہاں یہ عطا و بذلِ کریم
 یاں زمیں پر نظرِ جہاں تک جاگے
 نغمہ مطربانِ زمیں سنا
 اس اکھاڑے میں جو کہ ہے مغلنون
 سرورِ مہرِ فرس ہو جو سوار
 سنبے جانا کہ ہے پر ہی تو سن
 نقشِ مجسمہ مند سے یکسر
 فوج کی گردِ راہِ مشکِ خاشاں
 بس کہ بخشی ہے فوج کو عزت
 موکبِ خاصِ یوں زمیں پر تھا
 چھوڑ دیتا تھا اور نو بہرام
 آسماں ہے گدائے سایہ نشیں
 نہ ہوتی ہو کبھی بروئے زمیں
 نورِ بے ناہِ سفیرِ سمیں
 ہے وہ بالائے سطحِ چرخِ بریں
 یہ ضیا بخش چشمِ اہل یقیں
 کہ جہاں گدیہ گر کا نام نہیں
 مثالہ آسلپھے ہیں درِ نہیں
 جلوۂ لولیانِ ماہِ حبس
 یاں وہ دیکھا چشمِ صُوت میں
 بہ کمالِ تجمل و تزئین
 اور بالِ پر ہی ہے دامنِ دیں
 بن گیا دشتِ دامنِ گلپیں
 رہ رووں کے مشامِ عطر آگیں
 فوج کا ہر پیادہ ہے خسرین
 جس طرح ہے سپہرِ پردہ پر دیں
 ران پر داغِ تازہ دسے کے دیں

اور داغ آپ کی فلامی کا خاص پہرام کا ہے زیب سرس
 بندہ پر در شاطئِ رازی سے مدعا عرضِ فن شعر نہیں
 آپ کی مدح اور میرا منہ گر کہوں بھی تو اُنے کس کو قیس؟
 اور پھل کہ شمعِ پیرجی سے ہو گیا ہوں نزار و ناز و حزیں
 پیری دیتی خدا کی پناہ دستِ خالی و خاطرِ غمگین
 صرف اظہار ہے ارادت کا ہے قلم کو جو مجھ پر ریزہ ریزہ
 مدح گستر نہیں دعا گو ہے غالب عاجز نیاز آگین
 ہے دعا بھی یہی کہ دنیا میں تم رہو زندہ جاوداں! آمین!

قطع

۲

ایک اہلِ ردنے سنان جو کھا قفس یوں کہا آتی نہیں اب کیوں صدائے گیت
 بالِ و پر دوچار دکھلا کر کہا صیاد نے یہ نشانی رہ گئی ہر آن بھائے عندلیب

۲

اٹھا اک دن بگولا سا جو کچھ نہیں جوشِ وحشت میں
 سلیمہ پھر اگبر اگیا تھا جی بیباں سے
 نظر آیا مجھے اک طائرِ محروم پر بستہ

ٹپکتا تھا سب شوریہ دیوارِ گلستاں سے
 کہا میں نے کہ ادگنٹام! آخر ماجرا کیا ہے؟
 پڑا ہے کام تجھ کو کس سنگرِ آفتِ جاں سے
 مہنا کچھ کھیل کھیل کر پہلے، پھر تجھ کو جو پہچانا
 تو یہ رویا کہ جوئے ٹھوں میں ٹپکوں کے داماں سے؟
 کہا میں صید ہوں سگ کہ جس کے دام گیتوں میں
 پہنا کرتے ہیں طائرِ روزا کر باغِ رضواں سے
 اسی کی زلفتِ سُرخ کا دھیان ہر شام دسھر تجھ کو
 نہ مطلب کفر سے، اور نہ ہے کچھ کام ایساں سے
 چشیم غور جو دیکھا مرا ہی طائرِ دل تھا
 کہ جل کر ہو گیا یوں خاک میری آؤ سوزاں سے

قِطْعہٗ تَارِیخ

اس کتابِ طرب نصابِ نجب ۴۲ آجے تابِ انطباع کی پائی
 فکرِ تاریخِ سال میں مجھ کو ایک صورتِ نئی نظر آئی
 مندر سے پہلے رات رات کئے و دیئے ناگاہ مجھ کو دکھلائی

اور پھر ہندسہ تھا بارہ کا ہا ہزاراں ہزار زیبائی
 سالِ بھری تو ہو گیا معلوم بے مثال عبارتِ آرائی
 نگاہِ ذوقِ بزرگِ سنجی کو ہے صبا گانہ کارِ نہرِ مائی
 سات اور سات ہوتے ہیں چوڑے یہ امیدِ سعادت افزائی
 عرض اس سے ہیں پانچ معصوم جس سے ہے چشمِ مہلاں کو زیبائی
 اور بارہ امام ہیں بارہ جس سے یہاں کو ہے کمالِ کائی
 اُن کو غالب یہ سال چلے
 جو آمنہ کے ہیں تولائی

غزل

شبِ صفا میں ہو گیا ہے بن تکیہ ہوا ہے موجبِ آراہِ بانِ حق تکیہ
 خراجِ بادِ شہِ پس سے کیوں لگوں؟ کہ بن گیا ہے خمِ جبین پر خلکِ تکیہ
 بن ہے تختہ گلِ ہائے یاس میں بستر ہوا ہے دستہ کمر بن دفترِ تکیہ
 فریغِ حسنِ روشن ہے خوابِ گاہِ تمام جو صفتِ خوابِ جا پرین ہے پر تکیہ
 اگرچہ بختِ ارادہ مگر خدا کا شکر اٹھا سکادہ زناکت سے گلبدنِ تکیہ
 ہوا ہے کاٹ کے پلو کو ناگہاں غما اگرچہ زانوئے تل پر کے دمن تکیہ

بضرِ قیثہ وہ سدا پہلے ہلاک ہوا کہ ضربِ قیثہ پہکتا تھا گو مکن تکیہ
 بہ رات بھر کا ہر دم کا صبح نہ تھا کہ دھونہ شمع پر ہے اہلِ انجمن تکیہ
 اگرچہ صینک باقم نے نور سے لیا کہ بھٹائے کیونکر یہ بخورِ خستہ تن تکیہ
 عشق آگیا بوسِ زحل سے فانی کو ہوئی جلا سکوریِ نقشِ بے کھن تکیہ
 شبِ ذوق میں صلہِ ہر اذیت کا کہ سانپِ فرشِ ہر اور سانپ کا ہرن تکیہ
 روادِ کھونہ رکھو تھا جو لفظِ کبیرہ کلام اب اس کو کہتے ہیں اہلِ سخن تکیہ

ہم اور تم فلکِ پیچوں کہتے ہیں
 فقیرِ غالب مسکین کا ہے کہہنا تکیہ

۶

جس دن سے ہم خستہ رفتاریاں ہیں
 کپڑوں میں جو نہیں بچتے کئے انکوں پہ گواہیں

۷

میں عشقِ جفا بھی جفا اور سہی تم ہو بیدارِ خوش اس سوا اور سہی
 غیر کی مرگ کا غم کس لئے اے غیرِ تباہ ہیں ہوئی پیشہ بہت تباہ نہ ہوا اور سہی
 تم ہو بت پھر تمہیں پیدا و خدا کیوں تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی
 سخن میں خود سے بڑھ کر نہیں بڑھ گئے کسی آپ کا شیوہ انرا زوا ودا اور سہی

تیرے کوچہ کا ہنساں دل مضطرب مرا
 کعبہ لک اور بھی قلیلہ نما اور بھی
 کوئی دنیا میں مگر باغِ نیرس کو لفظ
 عہد بھی یلخ ہے خیرات ہوا اور بھی
 کیوں فردوس میں دوزخ کو لائیں یارب
 سیر کے واسطے مقنن شریعی نصنا اور بھی
 بھر کو وہ دو کہ جسے کھلے پانی مانگوں
 نہر کچھ اور بھی آبِ بقا اور بھی
 مجھ سے قتال ہے یہ ملائی نے غزلِ کھواں
 ایک بے داد گریہ نچ ستر اور بھی

۸

بس کہ فعالِ بایرید ہے آج
 ہر سلحشور انگشتاں کا
 گھر سے بازار میں نکلتے ہوئے
 زہرہ موت ہے آبِ انساں کا
 چوک جس کو کہیں وہ متصل ہے
 گھر بنا ہے نمونہ زنداں کا
 شہرِ دہلی کا ذرہ ذرہ خاک
 تشنہ تھوڑے ہے ہر سلماں کا
 کوئی داں سے نہ آسکے یاں تک
 آدمی واں نہ جا سکے یاں کا
 میں نے مانا کہ بل گئے پھر کیا
 وہی رونا تنِ دل و جاں کا
 گاہِ جل کر کیا کئے سرِ شکوہ
 سوزِ شمعِ اغماٹے نہاں کا
 گاہِ رو کر کہا کئے باہم
 ماجرا دیدہ ہائے گریاں کا
 جس طرح کے فصال سے یارب
 کیلئے داغِ دل ہی ہجراں کا

۹

در ہی شدم بیاہ طیف شوخی اتمام اس کا
 تنگیں میں ہوں شرار و نگہ ناپید ہے نام میں کا
 کائنات ہے سہوا ز شتادہ ظاہر ہے
 درواخ آندوئے بارہ دیکھنے پر یہ علم اس کا
 بامید نگاہ خاص ہوئی محسوس شریعت
 مبادا ہوں غافل گیر آفت اقل طیف عالم اس کا

شب کہ ذوق گنگاوتے تیرے دل بیتاب تھا
 وہ دل دہراں کو مگر آئندہ شمع ماتم خانہ تھا
 دانی ہجوم نغمہ رانی ساز عشرت بھلاستہ
 تاخیر و غم ہمارا ہر تار نصیر ہر قراب تھا

سوئے اس کے ماتم میں سید پوشی تھی
 وہ دل دہراں کو مگر آئندہ شمع ماتم خانہ تھا

شکوہِ یاراں بنیادِ دل میں چہاں کر دیا
غالب ایسے گنج کو شایاں بھی دیرانتھا

۱۲

پھر وہ سوئے محسن آتا ہے خدا خیر کرے
رنگ اڑتا ہے گلستاں کے ہوا دار وڈکا

۱۳

معزولی تپش ہوئی افسر از انتظار
چشم کشودہ حلتِ پیروں دس ہے آج

۱۴

میر کے شرکا احوال کہوں کیا غالب
جس کا دیوان کم از گلشنِ شمع نہیں

۱۵

مے کشی کو نہ سمجھ بے حاصل بہ
بادِ غالب عرقِ بید نہیں !
ہے خدا کا تپس کہ فصلِ گل میں مہار ہیں
قالب گل میں قلی ہے خشتِ یواری چمن

۱۷

ظاہر میں میری شکل سے افسوس کے نشان
خارِ لہجے پشتِ بد و نال گزیدہ مہوں
ہوں مگر معنی نشانی تصور سے نفی بیخ
میں عندلیب گلشنِ نا افسردہ ہوں

۱۸۰

ابرِ روتلے کہ ہر دم طرب آمادہ کرو
برقِ منتہی ہو کہ فرصت کوئی دم دے ہو

۱۹

ہندوستانِ بانیہ گل پائے تختِ تھا
جاہ و جلالِ عہدِ رسالتِ بیاں نہ پوچھ
ہر داغِ تازہ یک دل داغِ انتظار ہے
عرضِ فضلے سے جیتہ درو امیتاں نہ پوچھ
کہتا تھا کل وہ محمدؐ ملا اپنے ہو کہ ہاں !
درِ حجبِ رانی اسد اللہ خان نہ پوچھ

۲۰

دیدم خونِ بار ہے مُدّت کے دے آج ندیم
 دل کے ٹکڑے بھی کئی خون کے شامل آئے
 اب ہے ادلی کی طرف کوچ ہمارا غالب
 آج ہم حضرتِ نواب سے بھی مل آئے

یہ جو ہم پریشاں خونِ لکھنؤ کے سبب تک نہیں آتا
 خانے پہ بچہ بیٹا، مرغِ درخت پر پا ہے

۲۲

غالب زبیں کو موکھنے چشم میں ہر شک
 آنسو کی بوند گوہرِ نایاب ہو گئی

۲۳

بہار ہے یاں تک اشکوں میں غبارِ کلفتِ خاطر
 کہ چشمِ تر میں ہر اکٹارہ دلچائے در گل ہے

۲۲

کمالِ حسن اگر موقوف اندازِ تغافل ہو
مکلف بر طرت تجھ سے تری تصویر بہتر

۲۵

حیراں ہوں شوخیِ رگِ یاقوت دیکھ کر
یاں ہے کہ صحبتِ خس و آتش برابر ہے

۲۶

چند تصویرِ تباں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

بالکھیر

تہ



محمد قاضی کا بیٹا کا بنی قاضی قاضی قاضی
ضلع گوجرانوالہ